رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۰۹۳

THE ALHAKAM Qadian

سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سب سے پہلا اور مشہور و معروف اخبار

خاص نمبر

قیمت ۳؍ آنہ

والیان ریاست و امراء سے ۵؎

معاونین سے ۸؎

عوام سے ۳؎

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ

الحکم

بیا در بزم مستان تا ببینی عالمے دیگر
بہشتے دیگر و ابلیس دیگر آدمے دیگر

مدیر
شیخ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی

مدینۃ المسیح

جلد ۲۶ — بہ تقریب یوم وصال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام شائع ہوا۔ بابت ۲۱/۲۸ مئی سنہ ۱۹۲۳ء — نمبر ۱۹ و ۲۰

خدا کس طرح کلام کرتا ہے؟

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے مندرجہ ذیل اپنی خاص سلسلہ میں قلم فرما کر بھیجا ہے جو گویا سیرۃ المہدی کی جلد دوم کی ایک روایت ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرۃ کے مختلف پہلوؤں کی ایک خاص شان کا جلوہ نما ہے۔ ایڈیٹر

مکرمی شیخ صاحب سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میں نے اسوقت تک آپکے یادگار نمبر کے لئے کچھ نہیں لکھا۔ اور نہ ہی یہ سوچا ہے کہ کیا لکھنا چاہیئے۔ لیکن آپ کی طرف سے تقاضا پہنچا ہے کہ جو دینا ہے ابھی بھیج دو۔ لہذا آپ کی خواہش کا احترام رکھتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کا ایک چھوٹا سا واقعہ درج کرتا ہوں:۔

مکرمی استاذی مولوی شیر علی صاحب کی روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجلس میں بیان فرمایا کہ ایکدفعہ جب میں لدھیانہ میں تھا اور باہر چہل قدمی کے لئے کسی راستہ پر جا رہا تھا کہ ایک انگریز میری طرف آیا اور سلام کہہ کر مجھ سے پوچھنے لگا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ اس بات کا دعوے کرتے ہیں کہ خدا آپ سے کلام کرتا ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ اس نے پوچھا کہ وہ کس طرح کلام کرتا ہے؟ میں نے کہا کہ اسی طرح جس طرح اس وقت آپ مجھ سے باتیں کر رہے ہیں۔

اس پر اس انگریز کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ "سبحان اللہ" اور پھر وہ ایک گہری فکر میں پڑ کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا رخصت ہو گیا۔ مولوی شیر علی صاحب فرماتے تھے کہ اس طرح اسکا سبحان اللہ کہنا آپ کو بہت بھلا معلوم ہوا تھا۔ چنانچہ اسی لئے آپ نے یہ واقعہ سنایا تھا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا دعویٰ ہو تو ایسا ہو۔ ورنہ یہ کیا کہ نیچریوں یا برہمو سماجیوں یا بابیوں بہائیوں کی طرح صرف خاص حالت یا خاص قسم کے دل کے خیالات کا نام ہی خدائی الہام رکھا جاوے یا اپنے آگے ہی گویا خدا قرار دے کر اپنی ہر بات کو خدائی کلام سمجھ لیا جاوے۔ خاکسار جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کو دیکھتا ہوں تو دل سرور سے بھر جاتا ہے۔ بھلا جس طرح یہ شیر خدا کا مرد میدان بنکر گرجا ہے کسی کی کیا مجال ہے کہ اس طرح اس میدان میں بمقابلہ ہوش و حواس اقرار کے طور پر قدم دھرے اور پھر لو تقول علینا کے وعید کی آگ اسے بھسم نہ کر چلے۔ جو شخص چوروں کی طرح بھیس بدل کر چھپ چھپ کر رک رک کر ہر آہٹ پر کان دھرتے اور ہر چیز پر سہمی ہوئی نظر ڈالتے ہوئے

الحمدللہ الحکم کا خاص نمبر شایع ہو رہا ہے

کامیابی کا پہلا مرحلہ اور آیندہ کی وسیع امید

الحکم کے خاص نمبر کی اشاعت کا اعلان کرتے وقت مجھے خطرہ تھا کہ میں اسے شائع نہیں کرسکوں گا۔ اس لئے کہ میں نے دس ہزار کی تعداد کی قید لگائی تھی اور میں جانتا تھا کہ اس تعداد کا پورا ہونا کارے دارد مگر خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

میں کھلے الفاظ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میرا ایسا خیال حق پسند اور اشاعت حق کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے والی قوم کے جذبات کی ایک توہین ہے۔ اور میں اس کے لئے اپنے دوستوں سے معافی چاہتا ہوں اگرچہ یہ تعداد پوری نہیں ہوئی۔ لیکن جس اخلاص اور عقیدت کے جوش سے حصہ لینے والے احباب نے حصہ لیا ہے۔ وہ یقین دلاتا ہے کہ اگر اعلان تنگ وقت میں نہ ہوتا اور اس کی تحریک متواتر ہوتی رہتی تو یہ دس ہزار تعداد کا پورا ہو جانا مشکل نہ تھا تاہم خدا تعالٰے کا شکر ہے۔ کہ

خاص نمبر پانچ ہزار شائع ہو رہا ہے

اگرچہ اس تعداد کی درخواستیں نہیں۔ لیکن میں نے پانچ ہزار کی تعداد پوری کر دینا اس لئے ضروری سمجھا کہ بعض دوستوں کو مایوس نہ ہونا پڑے۔ مجھکو یقین ہو گیا ہے۔ کہ انشاء اللہ آئندہ الحکم کا خاص نمبر دس ہزار نہیں بلکہ کم از کم پندرہ بیس ہزار شائع ہوگا۔

اس تعداد میں سب سے بڑا حصہ میرے حیدر آبادی احباب کا ہے۔ جنہوں نے ایک ہزار کاپی خریدی ہے۔ قادیان کے دوستوں نے مجھے مایوس کیا میں سمجھتا تھا کہ وہ دو ہزار کاپیوں کی اشاعت کا ذمہ لینگے۔

مگر سوائے دفاتر کے کلرکوں کی جماعت کے مجموعی طور پر حصہ لینے کی توفیق نہیں ملی۔

دوسرے درجہ پر جماعتی حیثیت سے کوہاٹ کی جماعت کا حصہ ہے۔ انفرادی حیثیت میں خان بہادر بابو غلام محمد خاں صاحب اور ڈاکٹر فضل کریم صاحب کا نام قابل ذکر ہے۔ کہ انہوں نے میری تحریک پر دو دو سو کاپی کے اخراجات اپنے ذمے لئے۔ حکیم محمد حسین صاحب قریشی (جو ابھی تھوڑا عرصہ ہوا الحکم کی اعانت میں دس روپے دیچکے تھے) نے سو کاپی خریدی۔ باقی احباب کا ذکر وقتاً فوقتاً میں اخبار میں پہلے بھی کر چکا ہوں۔

میں ان تمام احباب کا شکر گذار ہوں کہ انکی ہمت اور حوصلہ نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں الحکم کے خاص نمبر کو شائع کر سکا۔

مضامین کے پہلو کو مد نظر رکھکر میں کہونگا کہ یہ پرچہ کامیاب پرچہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا مضمون ضرور آتا۔ مگر احباب کو معلوم ہے کہ حضور کی مصروفیت ان ایام میں ایسی ہے کہ بعض اوقات رات دن برابر کام کر رہے ہیں اور مجھے آخر شرم آجاتی کہ میں عرض کرتا ہوں اور آپ کی مصروفیت کو دیکھتے ہوئے عرض کرتا ہوں۔ تاہم میرا یقین ہے کہ الحکم کے خاص نمبر اشاعت آپ کی توجہ اور دعا کا نتیجہ ہے۔ ورنہ گذشتہ پندرہ سال میں یہ نمبر ایک ہزار بھی شائع نہ ہو سکا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے ایک مختصر سا مگر نہایت ہی دل نواز واقعہ حضرت اقدس علیہ السلام کی لایف کا اپنے خاص انداز میں لکھا ہے۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب نے باوجود اپنی علالت کے اور میر محمد اسحٰق صاحب نے باوجود اپنی مصروفیت کے مضامین لکھے۔ میر صاحب کا مضمون عہد حاضرہ کے سیاسی لیڈر کی زندگی کے مواز نہ پر ہے۔

مولانا ابوالحمید آزاد اور محبی اکمل کے مضامین اپنے رنگ میں نہایت اہم اور ضروری ہیں۔ صاحبزادہ سراج الحق صاحب کا ذکر حبیب اور ڈاکٹر صادق کی پرانی نوٹ بک میں یاد حبیب جسقدر دلچسپ ہیں۔ وہ میرے کسی حاشیہ کے محتاج نہیں۔

ایڈیٹر الحکم نے اپنے پرانے بستہ سے جن گوہر شاہوار کو لٹایا ہے۔ ان کے قدر دانوں کو آنکھیں تلاش کرتی ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس نمبر میں کوئی نظم میں درج نہ کر سکا اور اس بے اعتنائی کے قصور وار

حضرت ثاقب۔ گوہر۔ مختار و موج

ہیں۔ حضرت منشی ظفر احمد صاحب کو درد نقرس کی شکایت نے موقعہ نہ دیا کہ وہ اس نمبر میں کچھ بھی لکھتے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو سکا۔ وہ پیش کیا جاتا ہے۔

اشاعت میں حصہ لینے والوں میں سے دو کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک قادیان کے مسلم گروپ کے بچوں کا جنہوں نے اگرچہ پانچ کاپیاں خریدی ہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس سے اس روح کا پتہ لگتا ہے جو انمیں پائی جاتی ہے دوم مولوی سید محمد ہاشم صاحب مولوی فاضل (فارغ التحصیل مدرسہ احمدیہ) انہوں نے ۲۵ کاپیاں اپنی ذات سے خریدی ہیں۔ مگر ۱۰ کاپی مدرسہ احمدیہ کی طرف سے اس اظہار کے ساتھ کہ

وہ اپنی مادرِ تعلیم

کے شکریہ کا عملی اظہار کر سکیں۔ یہ روح اگر ترقی کرتی رہی اور خدا کرے کہ کرے تو مدرسہ احمدیہ کے لئے بہت بابرکت ثابت ہوگی۔ بہر حال مولوی محمد ہاشم صاحب پہلے نوجوان ہیں۔ جنہوں نے اپنی مادر تعلیم کی یاد کا عملی اظہار اسی رنگ میں کیا ہے۔ کیا یہ نظیر دوسروں کو سبق دیگی؟

بہر حال میں خدا تعالٰے کا شکر کرتا ہوں کہ الحکم کا خاص نمبر شائع ہو سکا۔ اور میں ان تمام احباب کے لئے اپنی عاجزانہ شکر گذاری کا ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ جنہوں نے اس کی اشاعت میں کسی نہ کسی رنگ میں میری مدد کی ہے۔ اللہ تعالٰے ان سب پر ہر قسم کے فضل کرے۔ اور ان کو بیش از بیش خدمت دین کی توفیق جوش اور اخلاص عطا کرے۔ آمین

(عرفانی)

مضامین جو شایع نہیں ہو سکے!

بعض مضامین آتو وقت پر گئے تھے۔ مگر میرے نقطۂ خیال سے وہ خاص نمبر کے لئے موزوں نہ تھے۔ اور بعض دیر میں پہونچے۔ ان مضامین میں سے مکرمی ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کا مضمون بہت ہی قابل قدر ہے۔ اور مجھے افسوس ہے کہ وہ آخری وقت پر ملا۔ حضرت میر صاحب کی طبیعت بسبب اعدا ناساز تھی۔ اور رخصت علالت ہی پر قادیان آئے تھے۔ اب ان کو افاقہ اور آرام ہے۔ انہوں نے محض حصول ثواب کے لئے میری درخواست کو رد نہ فرمایا۔ اور ۲۲ کو بعد ظہر ایک عظیم الشان مضمون لکھ کر دیا۔ جو

عہد حاضرہ کے سب سے بڑے معلم صلح اور شہزادہ امن

کے دستور العمل امن پر ہے اس مضمون کے خاص نمبر میں شائع نہ ہو سکنے کا مجھے ازبس افسوس ہے۔

میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ جس نیک نیتی اور اخلاص سے انہوں نے لکھا ہے خدا کے حضور اس کا اجر انہیں ملیگا۔ یہ مضمون الحکم کی اگلی اشاعت میں بطور ضمیمہ نمبر خاص شائع ہوگا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اگلا نمبر اس خاص نمبر کا من وجہ ضمیمہ ہوگا۔ مگر وہ پانچہزار کی تعداد میں شائع نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ اپنی معمولی تعداد کے موافق شائع ہوگا۔ ہاں جو احباب چاہتے ہوں وہ اطلاع دیدیں ان کے لئے زائد کاپیاں چھاپ دیجا دینگی۔ الحکم کے اس نمبر کی قیمت ۲۰ فی کاپی ہوگی۔

ایسا ہی باقی ماندہ مضامین میں سے ایک نظم عزیز مکرم مولوی محمد احمد صاحب وکیل کپور تھلہ کی ہے وہ وقت سے پہلے آچکی تھی۔ مگر خاص نمبر میں میں ان مضامین کا اندراج پسند کرتا تھا جو حضرت مسیح موعود کی سیرۃ اور کام پر روشنی ڈالتے ہوں۔ بہر حال میں ان بزرگوں کا بھی شکر گذار ہوں اور اگلی اشاعت میں ان مضامین کو شائع کرنے کی عزت حاصل کر سکونگا۔ انشاء اللہ العزیز

مجھے امید ہے کہ وہ الحکم کے دوسرے خاص نمبر کے لئے جس کا اعلان عنقریب ہوگا۔ ابھی سے مضامین کی طیاری کریں گے ؁

(عرفانی)

حضرت مسیح موعود (علیہ السلام) کی عنایت اللہ میں

اُنتالیس برس پیشتر کی ایک مناجات

دلم می بلرزد چو یاد آورم　　مناجات شوریدہ اندر حرم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مندرجہ بالا شعر ۱۰ اپریل سنہ ۱۹۰۲ء کو الہام ہوا تھا۔ آپ نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ شوریدہ سے مراد دعا کرنے والا ہے اور حرم سے مراد جس پر خدا تعالےٰ نے تباہی کو حرام کر دیا ہو۔ اور دلم می بلرزد بظاہر ایک غیر محل سا محاورہ ہو سکتا ہے مگر یہ اسی کے مشابہ ہے جو بخاری میں ہے کہ مومن کی جان نکالنے میں مجھے تردد ہوتا ہے۔ توریت میں جو پچھتانا وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں دراصل وہ اسی قسم کے محاورہ ہیں جو اس سلسلہ کی ناواقفی کی وجہ سے لوگوں نے نہیں سمجھے۔ اس الہام میں خدا تعالےٰ کی اعلےٰ درجہ کی محبت اور رحمت کا اظہار ہے اور حرم کے لفظ میں گویا حفاظت کی طرف اشارہ ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۱ کالم ۳)

یہ وہ تصریح ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ خدا تعالےٰ کا کلام کسی بات میں اور کسی صورت میں نازل ہو وہ ذو المعارف ہوتا ہے۔ امر واقعہ کے مطابق بھی یہ الہامی شعر ایک حیثیت رکھتا ہے

خاکسار عرفانی کو یہ عزت و سعادت حاصل ہے کہ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض مخصوص دعاؤں کو شائع کیا ہے بیت اللہ میں بھی حضرت مسیح موعود نے بالواسطہ ایک دعا کی ہے اور یہ دعا اس وقت آپ نے فرمائی جبکہ آپ نے کوئی دعوےٰ مسیح و مہدی کا نہ کیا تھا۔ مگر یہ شعور اور بصیرت آپ کو علم الٰہی سے دی گئی تھی کہ آپ مامور ہوئے ہیں۔ میں نہایت ادب سے اس حق کی طرف توجہ دلاتا ہوں ان لوگوں کو جو اس نور اور حق سے جو مسیح موعود علیہ السلام کے نام سے دنیا میں آیا اور انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ وہ غور کریں کہ اپنی بعثت سے ایک زمانہ پیشتر وہ اس گھر میں جو دنیا میں ہدایت کا بیت اول کہلاتا ہے کن الفاظ میں خدا تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہے۔ اس الہام میں جو سنہ ۱۹۰۲ء میں ہوا اس مناجات کی قبولیت کا ارشاد صادر ہوتا ہے اور اس کی زندگی کے واقعات اور وصال کے بعد آج تک کے حالات اس کی تصدیق کر رہے ہیں۔

یہ دعا آپ نے لکھ کر حضرت منشی احمد جان صاحب مرحوم و مغفور کو دی تھی جبکہ وہ حج کو تشریف لے گئے تھے۔ منشی احمد جان صاحب مرحوم صاحبزادہ پیر افتخار احمد و پیر منظور محمد صاحبان کے والد ماجد تھے اور خود صاحب سلسلہ تھے۔ مگر آپ نے اس حق کو پایا اور اپنے مریدین اور اولاد کو قبول حق کی وصیت کی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ کی ساری اولاد الحمد للہ اس وقت قادیان میں مہاجرین کی صورت میں رہتی ہے۔ اور حضرت منشی صاحب کو جناب خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبت صہری تھی۔ اس ارشاد عالی کی تعمیل میں حضرت منشی احمد جان صاحب نے بیت اللہ میں جا کر حضرت مسیح موعود کے الفاظ میں دعا کی اور باآواز بلند دعا کی اور جماعت آمین کہتی تھی۔

اس سال حج اکبر ہوا یعنے جمعہ کے دن حج سے فراغت پا کر بخیر و عافیت جیسا کہ حضرت اقدس نے تحریر فرمایا تھا واپس تشریف لائے۔ اور گیارہ بارہ روز زندہ رہ کر سنہ ۱۳۰۳ھ میں لودہانہ میں وفات پائی۔ یہ اس دعا کی قبولیت کا ایک نشان ہے حضرت اقدس نے حضرت منشی صاحب کی بخیر و عافیت واپسی کے لئے دعا کی تھی۔ اس دعا کی قبولیت تو ان کی مع الخیر واپسی سے ظاہر ہے اور یہی ثبوت ہے کہ یہ دعا جو اس خط میں درج ہے وہ بھی قبول ہوئی اور بعد کے واقعات اور حالات نے اس کی قبولیت کا مشاہدہ کرا دیا۔

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

اس خط کے بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے کچھ حصہ اُڑ گیا ہے جہاں نقطے دیدئے ہیں۔ مگر یہ ضائع شدہ الفاظ مضمون کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ تقاضائے ادب مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں ان الفاظ کو (جو سیاق و سباق عبارت سے بآسانی سمجھ میں آ سکتے ہیں) اپنی طرف سے دلکھوں۔ بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ دعا آپ کی سیرت آپکے ایمان علی اللہ اور جوش تبلیغ اور قبولیت دعا پر ایمان کے مختلف شعبوں کو ظاہر کرتی ہے۔ (عرفانی)

از عاجز عائذ باللہ الصمد غلام احمد　باخویم مخدوم و مکرم منشی احمد جان صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ۔ بعد السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ عنایت نامہ آں مخدوم پہنچا۔ اس عاجز کی غرض پہلے خط سے حج بیت اللہ کے بارے میں صرف اسی قدر تھی کہ سامان سفر میسر ہونا چاہئے۔ اب چونکہ خدا تعالےٰ نے زاد راہ میسر کر دیا اور عزم مصمم ہے اور ہر طرح سامان درست ہے اس لئے اب یہ دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم آپ سے یہ عمل قبول فرماوے اور آپ کا یہ قصد موجب خوشنودی حضرت عز اسمہ ہو اور آپ خیر و عافیت اور سلامتی سے جاویں اور خیر و عافیت اور سلامتی سے بہ تحصیل مرضات اللہ واپس آویں آمین یا رب العالمین

اور انشاء اللہ یہ عاجز آپ کے لئے بہت دعا کرے گا آپکے پیچھیں تو پہونچ گئے ہیں آپ نے اس ناکارہ کی بہت مدد کی اور خالصاً للہ اپنے قول اور فعل اور خدمت سے حمایت اور نصرت کا حق بجالائے جزاکم اللہ خیر الجزاء و احسن الیکم فی الدنیا والعقبیٰ۔

یہ عاجز یقین رکھتا ہے کہ آپ کا یہ عمل بھی حج سے کم نہیں ہوگا انشاء اللہ تعالےٰ۔ دل تو آپ کی اس قدر جدائی سے محزون اور مغموم رہے گا لیکن آپ جس دولت اور سعادت کو حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں اس فوز عظیم پر نظر کرنے سے انشراح خاطر ہے خدا تعالےٰ آپ کا حافظ اور حامی رہے۔ اور یہ سفر من کل الوجوہ مبارک کرے آمین

اس عاجز ناکارہ کی ایک عاجزانہ التماس یاد رکھیں کہ جب آپکو بیت اللہ کی زیارت بفضل اللہ تعالےٰ میسر ہو تو اس مقام محمود اور مبارک میں اس احقر عباد اللہ کی طرف سے انہیں لفظوں سے مسکنت اور غربت کے ہاتھ بحضور دل اٹھا کر گذارش کریں کہ

”اے ارحم الراحمین! ایک تیرا بندہ عاجز اور ناکارہ پر خطا اور نالائق غلام احمد جو تیری زمین ملک ہند میں ہے اس کی یہ عرض ہے کہ اے ارحم الراحمین تو مجھ سے راضی ہو اور میرے خطیات اور گناہوں کو بخش کہ تو غفور اور رحیم ہے اور مجھ سے وہ کام کرا جس سے تو بہت ہی راضی ہو جائے مجھ میں اور میرے نفس میں مشرق اور مغرب کی دوری ڈال اور میری زندگی اور میری موت اور میری ہر ایک قوت اور جو مجھے حاصل ہے اپنی ہی راہ میں کر اور اپنی ہی محبت میں مجھے زندہ رکھ اور اپنی ہی محبت میں مجھے مار اور اپنے ہی کامل محبین میں مجھے اٹھا۔

اے ارحم الراحمین!

جس کام کی اشاعت کے لئے تو نے مجھے مامور کیا ہے اور جس خدمت کے لئے تو نے میرے دل میں جوش ڈالا ہے اس کو اپنے ہی فضل سے انجام تک ..... اور عاجز کے ہاتھ سے حجت اسلام مخالفین پر اور اُن سب پر ..... جو اسلام کی خوبیوں سے بے خبر ہیں پوری کر اور اس عاجز اور .... اور مخلصوں اور ہم مشربوں کو مغفرت اور مہربانی کے ......

... حمایت میں رکھ کر دین و دنیا میں آپ اُن کا متکفل .... اور سب کو اپنے دار الرضا میں پہونچا اور اپنے ...... اور اُس کے آل اور اصحاب پر زیادہ سے زیادہ درود و سلام و برکات نازل کر آمین یا رب العالمین“

یہ دعا ہے جس کے لئے آپ پر فرض ہے کہ ان ہی الفاظ سے بلا تبدل و تغیر بیت اللہ میں حضرت ارحم الراحمین میں اس عاجز کی طرف سے کریں۔ والسلام۔

خاکسار غلام احمد　سنہ ۱۳۰۳ھ

یہ خط حضرت مسیح موعود کی سیرت میں ایک مبسوط باب کا متن ہے۔ میں قارئین کرام سے بار بار درخواست کرونگا کہ وہ اس کو پڑھیں کہ کیا یہ اس قلب کی تصویر ہو سکتی ہے جس کو کاذب اور مفتری کہا جاتا ہے؟ یا اس ضمیر پر تنویر کا مرقع ہے جو خدا کی راہ میں فانی اور خدمت دین کے لئے ایک غیر فانی جوش اپنے قلب میں رکھتا ہے۔ اور وہ اس شعور سے بول رہا ہے کہ خدا نے اسے کھڑا کیا ہے۔ اور اس کی زندگی کا مقصد ایک اور صرف ایک ہے

کہ میرا مولےٰ مجھ سے راضی ہو جائے

اگر یہ صحیح ہے اور ضرور صحیح ہے تو اسکے بعد اسکی تکذیب سمجھ لو کیا نتیجہ پیدا کرے گی۔ یہی وہ دعا ہے جسکے لئے خدا تعالےٰ نے اس پر یہ شعر الہام کیا

دلم مے بلرزد چو یاد آورم　　مناجات شوریدہ اندر حرم

پس تکذیب سے ڈر جاؤ! اور اسکے ساتھ ہو کر ان فضلوں کے وارث بنو جو وہ لے کر آیا ہے اگر تم نے اُسے صادق یقین کر لیا ہے اور اسکے ساتھ ہو چکے ہو تو وہی رُوح اپنے اندر پیدا کرو جو اس میں بولتی ہے + (عرفانی)

آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند پر اتمام حجت

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک شان

ابد الآباد کے لئے آریہ سماج اس کا جواب نہیں دے سکتی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی ایک غرض اسلام کا دوسرے ادیان پر غلبہ اور اتمام حجت بھی تھی۔ نادان یہ سمجھتے رہے اور اب تک بھی بعض کوتاہ اندیش سمجھتے ہیں کہ حضرت مسیح اور مہدی کا عہد گویا عہد جدال ہوگا اور وہ دلائل بینہ اور حجت نیرہ کی بجائے تیغ و تلوار اور پیار و محبت کی بجائے حکومت و جنگ سے اسلام کو غالب کریں گے۔ یہ خیال سراسر غلط اور بیہودہ ہے۔ اسلام جب دنیا میں غالب ہوا وہ اپنے کمالات اور خوبیوں کی وجہ سے ہوا ہے اور مسیح و مہدی کے وقت میں بھی اس کا غلبہ اسی طرح مقدر تھا۔

حضرت مسیح موعود نے اپنے اس فرض کو کس طرح پورا کیا اور تمام ادیان باطلہ پر اسلام کا غلبہ کس طرح ثابت کیا؟ یہ ایک مبسوط اور مستقل مضمون ہے جو آپ کی سیرت کے اس حصہ میں جو آپکے علم کلام کے لئے مخصوص ہے انشاء اللہ درج ہوگا۔ یہاں مجھکو آریہ سماج پر اتمام حجت کی ایک شان کا جلوہ دکھانا ہے یوں تو آریہ سماج پر بھی حضرت مسیح موعود نے متعدد طریقوں سے اتمام حجت کیا ہے مگر سب سے بڑا حملہ اور کاری ضرب جو آریہ سماج پر آپ نے لگائی وہ آپکا آریہ سماج کے بانی کو دعوت اسلام کرنا اور اسے مقابلہ کے لئے بلانا ہے۔

میں نے سوامی دیانند صاحب کی سوانح عمری کو پڑھا اور بہت غور سے اس امر کی جستجو کی کہ کیا اُس خط و کتابت کا بھی اس میں کوئی ذکر ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سوامی صاحب سے کی تھی۔ اور کیا اس دعوت کا کوئی جواب ہے جو سوامی جی نے دیا ہو؟ مگر میں نے جب بھی سوانح عمری کو اس نیت سے اٹھایا اور پڑھا تو سوائے مایوسی کے کچھ نظر نہ آیا۔

حضرت مسیح موعود کا یہ عام طریق تھا کہ آپ نے مختلف مذاہب کے لیڈروں اور مشہور اشخاص کو ہر قسم کے مقابلہ کے لئے دعوت دی علمی اور عقلی دلائل کے ساتھ اپنے مذہب کی صداقت اور افضلیت کا ثبوت دینے کے لئے بھی اور روحانی اور اعجازی قوتوں میں مقابلہ کے لئے بھی مگر اس مقابلہ میں کوئی شخص نہیں آیا اور کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔ یہ ایک واقعہ ہے۔ ہنسی اڑانا اور تمسخر کرنا اور بات ہے۔ اور ہم اس بات کا صدق دل سے اقرار کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے جو حق اور نور کے ہمیشہ سے دشمن رہے ہیں اپنی سفاہت اور دنائت سے خدا کے مامور و مرسل سے ٹھٹھا کیا اور ہنسی اڑائی مگر یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ آسمان کے نیچے ہر اس شخص کے ساتھ جو خدا کی طرف سے مخلوق کی ہدایت کے لئے آیا

اندھی دنیا نے یہی سلوک کیا

پس اس سے ہمیں کبھی تعجب نہیں ہوا۔ آریہ سماج آج بھی بڑی ڈینگیں مارتی ہے ادھار سکتی ہے مگر میں بالکل صاف اور سیدھے الفاظ میں آریہ سماج سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ بتائے سوامی دیانند صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ میں کیا جواب دیا۔

بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سوامی دیانند صاحب پر ایک خط کے ذریعہ اول اتمام حجت کیا۔ پنڈت دیانند صاحب کو آپ کے مقابلہ میں آنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ میں اس خط کو محض ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت سے شائع کرتا ہوں اور دکھانا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان ایام میں جبکہ آپ کے گرد و پیش مریدوں اور مخلصوں کا انبوہ نہ تھا۔ جبکہ آپ ایک گمنام شخص کی طرح ایک گمنام گاؤں میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس وقت بھی اسلام کو دنیا کے تمام مذاہب پر غالب کرنے اور اتمام حجت کا ایک جوش آپ کے قلب میں پایا جاتا تھا۔ آج ہم جو اس عظیم الشان پہلوان اسلام کے نام لیوا ہیں سوچیں کہ اس خصوص میں ہمارا دائرہ عمل اور طریق کار کیا ہے۔ ہمارا مقصد عظیم اور ہمارا دائرہ عمل وسیع ہے جس راستہ پر ہمارا امام ہم کو کھڑا کر گیا ہے اور جو نظام عمل ہمارے سامنے رکھ گیا ہے اسے دیکھو اور نظر کرو کہ

منزل کس قدر دور ہے

اب میں کسی لمبی تمہید کے بغیر اس مکتوب شریف کو درج کرتا ہوں جو جناب پنڈت دیانند صاحب سرستی کی خدمت میں ۲۰۔ اپریل سنہ ۱۸۸۳ء مطابق ۱۲۔ جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۰ھ کو لکھا گیا۔

(عرفانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بجناب پنڈت دیانند سرستی (بانی آریہ سماج)

من آنچہ شرط بلاغ است باتو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

واضح ہو کہ ان دنوں اس عاجز نے حق کی تائید کے لئے اور دین اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کی غرض سے ایک نہایت بڑی کتاب تالیف کی ہے جس کا نام براہین احمدیہ ہے چنانچہ اس میں سے تین حصے چھپ کر مشتہر ہو چکے ہیں اور حصہ چہارم عنقریب چھپنے والا ہے۔ حصہ سوم میں اس بات کا کافی ثبوت موجود ہے کہ سچا دین جس کے قبول کرنے پر نجات موقوف ہے

وہ اسلام ہے

کیونکہ سچائی کے معلوم کرنے کے دو ہی طریق ہیں ایک یہ کہ عقلی دلائل سے کسی دین کے عقائد صاف اور پاک ثابت ہوں۔ دوسرے یہ کہ جو دین اختیار کرنے کی علت غائی ہے یعنے نجات اس کے علامات اور انوار اس دین کی متابعت سے ظاہر ہو جائیں کیونکہ جو کتاب دعویٰ کرتی ہے کہ میں اندرونی بیماریوں اور تاریکیوں سے لوگوں کو شفا دیتی ہوں بجز میرے دوسری کتاب نہیں دیتی تو ایسی کتاب کے لئے ضروری ہے کہ

اپنا ثبوت دے

پس انہیں دونوں طریقوں کی نسبت ثابت کر کے دکھلایا گیا ہے کہ یہ صرف اسلام میں پائے جاتے ہیں

اسلام وہ پاک مذہب ہے کہ جس کی بنیاد ایسے عقائد صحیحہ پر ہے کہ جن میں سراسر جلال الٰہی ہوتا ہے۔ قرآن شریف ہر ایک جزو کمال خدا کے لئے ثابت کرتا ہے اور ہر ایک نقص و زوال سے اس کو پاک ٹھیراتا ہے اس کی نسبت قرآن شریف کی یہ تعلیم ہے کہ وہ بیچون اور بیچگون ہے اور ہر شبہ و مانند سے منزہ ہے اور ہر ایک شکل اور مثال سے مبرا ہے۔ وہ مبدا ہے تمام فیضوں کا اور جامع ہے تمام خوبیوں کا۔ اور مرجع ہے تمام امور کا اور خالق ہے تمام کائنات کا اور پاک ہے ہر کمزوری اور ناقدرتی اور نقصان سے اور واحد ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور الوہیت میں اور معبودیت میں۔ نہیں مشابہ اس سے کوئی چیز۔ اور نہیں جائز کسی چیز سے اس کا اتحاد اور حلول۔ مگر افسوس کہ آپ کا اعتقاد سراسر اس کے خلاف ہے اور ایسی روشنی چھوڑ کر تاریکی اور ظلمت میں خوش ہو رہے ہیں۔ اب چونکہ میں نے اس روشنی کو آپ جیسے لوگوں کی سمجھ کے موافق نہایت صاف اور سلیس اردو میں کھول کر دکھلا دیا ہے اور اس بات کا قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ آپ لوگ ایک سخت ظلمت میں پڑے ہوئے ہیں یہانتک کہ جسکے سہارے پر تمام دنیا جیتی ہے اس کی نسبت آپ کا اعتقاد ہے کہ وہ تمام فیضوں کا مبدا نہیں اور ایسا ہی تمام اجسام صغار یعنی پرکرتی خود بخود انادی طور پر قدیم سے چلے آتے ہیں اور تمام جُز یعنے گُن جو اُن میں ہیں وہ خود بخود ہیں اور اس فیصلہ کو صرف عقلی طور پر نہیں چھوڑا بلکہ اسلام کے پاک گروہ میں وہ آسمانی نشان بھی ثابت کئے ہیں جو خدا کی برگزیدہ قوم میں ہونے چاہئیں۔ اور ان نشانوں کے گواہ صرف مسلمان لوگ ہی نہیں بلکہ کئی آریہ سماج والے بھی گواہ ہیں اور بفضل خداوند کریم دن بدن لوگوں پر کھلتا جاتا ہے کہ

برکت اور روشنی اور صداقت صرف قرآن شریف میں ہے

اور دوسری کتابیں ظلمت اور تاریکی سے بھری ہوئی ہیں لہٰذا یہ خط آپکے پاس رجسٹری کرا کر بھیجتا ہوں۔ اگر آپ کتاب براہین احمدیہ کے مطالعہ کے لئے مستعد ہوں تو میں وہ کتاب مفت بلاقیمت آپ کو بھیج دوں گا۔ آپ اُس کو غور سے پڑھیں اگر اسکے دلایل کو لاجواب پائیں تو حق کے قبول کرنے میں دریغ نہ کریں کہ

دُنیا روزے چند آخر کار با خداوند

میں ابھی اس کتاب کو بھیج سکتا تھا مگر میں نے سُنا ہے کہ آپ اپنے خیالات میں محو ہو رہے ہیں اور دوسرے شخص کی تحقیقات سے فائدہ اٹھانا عار سمجھتے ہیں سو میں آپکو دوستی اور خیر خواہی کی راہ سے لکھتا ہوں کہ آپکے خیالات صحیح نہیں ہیں۔ آپ ضرور ہی میری کتاب کو منگا کر دیکھیں امید ہے کہ اگر حق جوئی کی راہ سے دیکھیں گے تو اس کتاب کے پڑھنے سے بہت سے حجاب اور پردے آپکے دور ہو جائینگے اور اگر آپ اردو عبارت پڑھ نہ سکیں تاہم کسی لکھے پڑھے آدمی کے ذریعہ سے سمجھ سکتے ہیں آپ اپنے جواب سے مجھ کو اطلاع دیں اور جس طور سے آپ تسلی چاہیں خداوند قادر ہے صرف سچی طلب اور انصاف اور حق جوئی درکار ہے۔ جواب سے جلد تر اطلاع بخشیں میں منتظر ہوں اور اگر آپ خاموش رہیں تو پھر اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ آپ کو صداقت اور روشنی اور راستی سے کچھ بھی غرض نہیں۔

خاکسار مرزا غلام احمد (علیہ السلام)

۲۰۔ اپریل سنہ ۱۸۸۳ء مطابق ۱۲۔ جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۰ھ

ذِکرُ الحبیب حبیبؐ

ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شیخ حامد علی مرحوم کو جو دن رات آپ کی خدمت میں رہتے تھے اور جن کی نسبت آپ نے فرمایا تھا کہ حامد علی جیسا کہ اب دنیا میں میرے ساتھ ہے اسی طرح بہشت میں میرے ساتھ ہوگا۔ امرتسر کسی کام کے لئے روانہ فرمایا۔ چونکہ میں یونہی ہمیشہ خدمت میں رہتا تھا۔ مگر خدمت کے طور سے مجھے کام نہیں دیتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور شیخ حامد علی تو امرتسر چلے گئے رات کو آپ کو تکلیف ہوگی۔ میرا جی چاہتا ہے کہ رات کو بھی آپ کی خدمت مبارک میں رہوں۔ اور جو کام آپ کے ہوں وہ بخوشی دل سے کروں مدت میں آج تمنا پوری ہوئی۔ فرمایا بہت اچھا۔ پھر میں بعد نماز عشاء اسکا تتبع کر کے مسجد مبارک کی چھت پر پہونچا۔ اس زمانہ میں ایک عشرہ کے لئے ایک چلہ کیا تھا اور وہ چلہ ایک خاص کام کے لئے دعا کا تھا۔ جب میں پہونچا تو فرمایا صاحبزادہ صاحب آگئے میں نے عرض کیا کہ حضرت صلے اللہ علیک و علے محمد آگیا۔ آپ ٹہلتے رہے۔ اور کچھ دعائیں وغیرہ پڑھتے رہے پھر آپ نے کلام مجید یعنی حمائل ہاتھ میں لی اور مغربی ستارہ پر لالٹین رکھ کر پڑھتے رہے درمیانی اور باریک آواز سے۔ میں بیٹھا رہا کہ جب کوئی کام حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے میں کروں گا۔ خواہ تمام رات جاگنا پڑے۔ لیکن آپ نے مجھے کوئی کام نہ فرمایا۔ آپ نے اپنا کرتہ اتارا اور تہ بند باندھا۔ گرمیوں کے دن تھے فرش مسجد پر لیٹ گئے اسپر بوریا (چٹائی) یا جانماز کچھ نہیں تھی۔ اور سیدھے لیٹ گئے۔ ہاتھ پر پھیلا دیئے اور فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ بغیر چارپائی کے نیند نہیں آتی اور کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ ہمیں تو خوب خدا کے فضل سے زمین پر نیند آتی ہے اور ہاضمہ میں بھی کوئی فتور نہیں ہوتا۔ میں آپ کے پیر دبانے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب رات بہت چلی گئی سو جاؤ تمہیں بہت تکلیف ہوئی ہمارے کام کے لئے بھی جاگتے ہیں اور ہمیں کام ہی کیا ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت صلے اللہ علیک و علے محمد مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ بہت بہت سفر کئے پہاڑی ملک میں جانا پڑا بدن سدھا ہوا ہے۔ پھر فرمایا تم تو پیر ہو۔ پیروں کو تو عادت ہوتی ہے کہ بغیر چارپائی اور عمدہ بستر کے نیند نہیں آتی۔ میں نیچے سے تمہارے واسطے چارپائی اور بستر منگوا دیتا ہوں۔ میں یہ سن کر خوف زدہ ہوگیا اور کانپنے لگا کہ ایسا نہ ہو کہ آپ یہ تکلیف گوارا کریں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور مجھے زمین پر سونے کی واقعی عادت ہے کیونکہ چھ چھ ماہ اور سال سال بھر کی چلہ کشیاں کی ہیں۔ چارپائی کا نشان بھی نہیں ہوتا تھا اور قادیان میں تو عموماً چارپائی پر کم لیٹنا پڑتا ہے (یہ واقعہ بعد میں لکھوں گا) اور حضور ایک تھوڑی سی بات کے واسطے تین منزل سے نیچے جائیں اور بوجھ لادیں مجھے یہ منظور نہیں اور نیز میرے والد صاحب شاہ حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم جو حضور کے دعوے سے پہلے گذر گئے انہوں نے بھی یہ عادت ڈالدی ہے کہ زمین پر سلاتے اور سردیوں میں حالانکہ سب کچھ تھا گرم کپڑے نہ بنا کر دیتے اگر کوئی کہتا تو فرماتے کہ فقیری اور آرام طلبی جمع نہیں ہو سکتیں۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بات کو سُن کر خوش ہو گئے۔ فرمایا تمہارے والد صاحب کا ایسا کرنا اب کام آگیا اور ایسا ہی چاہئے اور احباب کو یہی کرنا چاہئے۔ کہ آرام طلبی نہ ہو۔ فرمایا ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہمارے دوست و احباب ایسے بن جاویں کہ گویا فرشتے ہیں اور ابھی آسمان سے اترے ہیں۔ یہ دنیا میں ہوں مگر نہ ہوں۔ پھر فرمایا کہ میں بایاں پاسا بدل لوں یعنی بائیں کروٹ لے لوں میں نے عرض کیا کہ حضرت صلے اللہ علیک و علے محمد بہت اچھا۔ آپ سو گئے اور میں سر سے لے کر پیروں تک دباتا ہوا آیا۔ آپ کی آنکھ کھل گئی فرمایا ابھی سوئے نہیں دبا رہے ہو میں نے عرض کیا کہ میں اسی غرض سے آیا تھا۔ پھر فرمایا کہ میں دایاں پاسا بدل لوں میں نے عرض کیا بہت اچھا آپ نے پھر کروٹ بدل لی اور میں دباتا رہا۔ پھر آپ سو گئے آپ کا سونا اس طریق سے تھا کہ دو تین منٹ کبھی چار پانچ منٹ آپ سوتے تھے۔ اور سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ کر پھر سو جاتے تھے اور آپ کے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت ہلتی رہتی تھی جیسے بچے انگلیوں کو حرکت دیا کرتے ہیں پھر آپ جاگ گئے اور فرمایا سو جاؤ۔ پھر میں بحکم الامر فوق الادب آپ کے پیروں کی طرف لیٹ گیا۔ اور مصلے جو میں ساتھ لے گیا تھا وہ سرہانے سر کے نیچے رکھ لیا۔ پچھلی رات کو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام جاگے اور مجھے خبر نہیں تھی۔ آپ قرآن شریف پڑھ رہے تھے آہستہ آہستہ باریک آواز سے کہ یہ (یعنی یہ عاجز راقم الحروف) جاگ نہ اٹھے۔ آخر حسب معمول میری آنکھ کھل گئی۔ اور آپ کا قرآن شریف پڑھنا اور آہستہ آہستہ پڑھنا اور ٹہلنا دیکھا فرمایا صاحبزادہ صاحب جاگ اٹھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت صلے اللہ علیک و علے محمد جاگ اٹھا۔ فرمایا صاحبزادہ صاحب وضو کے واسطے پانی لاؤں۔ میں نے عرض کیا حضرت صلے اللہ علیک و علے محمد میں تو اسلئے حاضر خدمت ہوا تھا کہ میں خدمت کروں آپ میری خدمت کے لئے تیار ہو گئے فرمایا کیا مضائقہ ہے۔ پس میں جلدی سے مسجد کے نیچے اتر گیا اور ڈھاب میں وضو کیا اور جلد آگیا۔ اور آپ بھی نوافل پڑھتے رہے اور میں بھی نوافل میں مصروف ہو گیا پھر تھوڑی دیر میں اذان کا وقت آگیا فرمایا اذان کہو میں نے اذان کہی اور لوگ آنے شروع ہو گئے۔

اب میں وہ واقعہ لکھتا ہوں جس کا وعدہ اوپر کر آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میرے لئے جو ایک چارپائی حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دے رکھی تھی جب مہمان آتے تو میری چارپائی پر بعض صاحب لیٹ جاتے اور میں مصلے زمین پر بچھا کر لیٹ جاتا۔ اور جو میں بستر چارپائی پر بچھا لیتا تو بعض مہمان اسی چارپائی بستر شدہ پر لیٹ جاتے میرے دل میں ذرہ بھر بھی رنج یا ملال نہ ہوتا اور میں سمجھتا کہ یہ مہمان ہیں۔ اور ہم یہاں کے رہنے والے ہیں۔ اور بعض صاحب میرا بستر چارپائی کے نیچے زمین پر پھینک دیتے اور آپ اپنا بستر بچھا کر لیٹ جاتے۔ ایکدفعہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت اقدس علیہ السلام کو ایک عورت نے خبر دیدی کہ حضرت پیر صاحب زمین پر لیٹے پڑے ہیں آپ نے فرمایا چارپائی کہاں گئی اس نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں آپ فوراً باہر تشریف لائے اور گول کمرہ کے سامنے مجھے بلایا کہ زمین میں کیوں لیٹ رہے ہو۔ برسات کا موسم ہے اور سانپ بچھو کا خطرہ ہے۔ پھر میں نے سب حال عرض کیا کہ ایسا ہوتا ہے اور میں کسی کو کچھ نہیں کہتا آخر ان لوگوں کی تواضع اور خاطر و مدارات ہمارے ذمہ ہے یہ سن کر آپ اندر گئے اور ایک چارپائی میرے لئے بھجوا دی ایک دو روز تو وہ چارپائی میرے پاس رہی آخر پھر ایسا ہی معاملہ ہونے لگا جیسا کہ میں نے بیان کیا پھر کسی نے آپ سے کہدیا۔ پھر آپ نے اور چارپائی بھجوا دی پھر ایک روز کے بعد وہی معاملہ پیش آیا۔ پھر آپ کو کسی نے اطلاع دی اور صبح کی نماز کے بعد مجھ سے فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب بات تو یہی ہے کہ تم کرتے ہو اور ہمارے احباب کو ایسا ہی کرنا چاہیئے لیکن تم ایک کام کرو ہم ایک زنجیر لگا دیتے ہیں چارپائی میں زنجیر باندھ کر چھت میں لٹکا دیا کرو۔ مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم یہ سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ ایسے بھی استاد آتے ہیں جو اسکو بھی اتار لیں گے پھر آپ بھی ہنسنے لگے۔

ایک روز مغرب کی نماز پڑھی گئی اور میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کھڑا تھا جب نماز کا سلام پھیر گیا تو آپ نے بایاں ہاتھ میری دائیں ران پر رکھ کر فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب اسوقت میں التحیات پڑھتا تھا الہاماً میری زبان پر جاری ہوا کہ صلے اللہ علیک و علے محمد۔ مولانا نورالدین صاحب مرحوم امام تھے۔ پھر ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تب سے میں جو بات حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے کہتا تھا تو یہ کبھی زور سے کبھی آہستہ ضرور پڑھ لیا کرتا تھا۔ اور یہی عادت میری اکثر تحریر میں بھی ہے۔

مقام جودھ پور سے جو ریاست کی جگہ ہے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں ایک بہت خوبصورت معہ ایک عمدہ لفافہ کے خط لکھا اس میں لکھا کہ میں نے رات کو ایک خواب دیکھا ہے کہ کوئی بزرگ کہتے ہیں کہ تو مرزا غلام احمد مسیح موعود کی لڑکی سے نکاح کرلے سو میں حاضر ہوں چھ سو یا سات روپیہ کی ماہوار میری تنخواہ ہے اور عمر میری پچیس سال کی ہے اور جائیداد بھی ہے اگر آپ مجھے اپنی دامادی میں قبول فرمادیں تو زہے قسمت۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ خط میرے پاس لائے اور فرمایا صاحبزادہ صاحب اس خط کا جواب لکھدو اور یہ لکھدو کہ ہمارے لڑکی تو کوئی ہے نہیں اور تم جانتے ہو اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو صحیح بات ہے کہ ہمارے کوئی لڑکی نہیں ہے جسکا عقد ہم تم سے کر دیں لیکن تمہارا خواب سچا ہے۔ اور خواب تعبیر طلب ہوا کرتے ہیں اور یہ عربی میں ضرب المثل مشہور ہے۔ کہ "کلمات الحکیم بنات الحکیم" یعنے حکیم کی عمدہ باتیں حکیم کی بیٹیاں ہوتی ہیں پس اس خواب کا اسطرف اشارہ ہو کہ تم ہماری باتوں کو مانو اور جو ہم کہیں اسپر یقین کرو میں نے ایسا ہی لکھدیا پھر مجھے معلوم نہیں کہ اسکی طرف سے کوئی جواب آیا یا نہیں۔

حضرت اقدس ع کی وفات سے قریباً دو سال پہلے میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں قادیان کے مشرق کیطرف زمین و آسمان کے درمیان کھڑا ہوں اور میرا منہ مغرب کیطرف ہے اور میرے دس بارہ قدم کے فاصلہ پر اللہ جلشانہ کھڑے ہیں پنجابی روش کے کپڑے ہیں اور قوی پہلوان مضبوط بھاری جسم ہے اور آپکا منہ قادیان کیطرف ہے لیکن آپ مجھ سے کچھ اوپر کیطرف ہیں اور سیدھے ہیں لیکن مجھ کیطرف پانچ سات قدم کے فاصلہ پر مولانا نورالدین وغیرہ ہیں اور مولوی محمد احسن و مولوی محمد علی ایم۔ اے بہت دور کھڑے ہیں اور بہت بڑی جگہ پر ہیں مگر اللہ جلشانہ اسطرح کھڑے ہیں کہ جیسے کوئی کسی محبوب کے انتظار میں ہو اور جلد دوڑ کر چمٹ جاوے میں خیال کرتا ہوں کہ دیکھئے کون محبوب الٰہی آتا ہے اتنے میں حضرت مسیح موعود دوڑتے ہوئے آئے اور جب میرے سامنے آئے تو اللہ جلشانہ چند قدم چلکر حضرت مسیح موعود سے اللہ جلشانہ کو چمٹ گئے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے بیٹے اسوقت کہ جو اسوقت حضرت اقدس ع نے جن الفاظ میں جو مانگیں گے میں بھی وہی مانگا کروں گا۔

یاد ایام سلف ہائے کیا تڑپا دیا

مسیح موعودؑ کے قدموں میں

داستانِ شوق ابتدا سے انتہا تک

غالباً ۱۸۹۳ء تھا جب میں اور مولانا مولوی غلام رسول صاحب راجیکی۔ شیخ عبدالغنی صاحب کنجاہی کنجاہ ورنیکولر مڈل سکول کی چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے۔ طالب علم تو اور بھی بہت تھے۔ مگر ہم تینوں میں ایک خاص مناسبت اور دوستی تھی۔ اسوقت یہ بات ہمارے وہم خیال میں بھی نہ آتی تھی کہ ہم ایک ہادی و رہنما کے جھنڈے تلے جمع ہونے والے ہیں۔ آج ۱۹۲۴ء میں عجیب منظر آنکھوں کے سامنے ہیں۔ مولانا غلام رسول بھی یہیں ڈیرے ڈالے ہیں۔ خاکسار بھی موجود ہے۔ اور حسن اتفاق سے شیخ عبدالغنی صاحب بھی حاضر عتبہ عالیہ ہیں۔ تیس اکتیس ۳۱ برس کی باتیں خواب و خیال ہوگئیں۔ اتنا یاد پڑتا ہے کہ انہی دنوں یہ ندا میرے کانوں میں پہونچی کہ امام مہدی ظاہر ہوگئے۔

مولوی نورالدین صاحب ہیڈ ماسٹر مڈل سکول نے میرے والد صاحب سے ایک روز کہا کہ ایک شخص نواح بٹالہ میں مدعی مسیحیت و مہدیت ہے۔ پادریوں سے ایک بڑا مباحثہ بھی ہونے والا ہے یا ہو چکا ہے۔ آپ بٹالہ جایا کرتے ہیں۔ اس کی نسبت کچھ خبر تو لائیں۔

بٹالہ میں سلسلہ قادریہ کے پیر ظہور الحسین صاحب تھے آپ نے ایک بار یہ کہا تھا کہ صدی چودہویں شروع ہوگئی اور کوئی بڑا غوث پیدا ہونے والا ہے۔ مگر ان کی باتوں سے ایسا مترشح ہوتا تھا۔ کہ وہ اپنے آپ کو اس عہدہ کا امیدوار سمجھتے ہیں۔

حافظ محمد حسین ڈنگوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے علاقہ میں تشریف لائے۔ اور انہوں نے یہ بشارت سنائی۔ اور توضیح مرام۔ فتح الاسلام کتابیں دیں۔ بالآخر انا لہ او ہام والد ماجد کو۔ فقراء کی ہمیشہ تلاش رہتی۔ اور اس کے لئے لمبے سے لمبا پاپیادہ سفر اور زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کو تیار رہتے۔ کچھ کتابیں دیکھنے کے بعد جب بٹالے گئے تو قادیان بھی ہو آئے۔ اور بتایا کہ جیسے دیگر سلسلے کے فقراء کے پاس بیٹھنے سے لطائف قلبی پر اثر پڑتا ہے۔ وہ نہیں۔ مگر نماز میں بہت لذت آئی۔ ان ایام میں میں نے بھی یہ کتابیں پڑھیں۔ اور کچھ چرچا سا رہنے لگا۔ دوسری بار جب والد ماجد بٹالہ گئے تو قادیان میں بیعت بھی کر گئے۔ پھر تو ہم بھی سب بیعت ہی تھے۔ اور تدریجی ترقی کرنے لگے۔ ہم لوگ بہت بڑے حجب میں گرفتار تھے۔ اور نور میں آنے کے لئے کئی منازل طے کرنی باقی تھیں۔ ۱۸۹۷ء میں جب مجھے گردش قسمت سے فیروزپور شہر میں جانا پڑا تو میں بیمار ہوگیا۔ اور پورے دس سال بستر علالت پر رہا۔ یہ مسلسل طول طویل بیماری اس اعتبار سے میرے حق میں رحمت ہوگئی۔ کہ میں نے اسی دوران میں عربی تکمیل کی اور اسی مدت میں احمدیت کی اتمام نعمت ہوئی۔ الحکم نے ایمانوں کے تازہ کرنے اور مرکز و امام ہمام سلسلہ کے ساتھ تعلقات مضبوط و منضبط کرنے میں بہت مدد کی۔ میں اس میں مضمون لکھنے لگ گیا۔ اور سنہ ۱۹۰۰ء میں ایک کتاب تالیف کی جس کا نام ظہور المسیح تھا۔ اور جسکی نسبت مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ نے لکھا۔ کہ جوں جوں میں اسے پڑھتا اپنے قلب کے تواجد و تراقص کو ضبط نہیں کرسکتا تھا۔

حضور علیہ السلام جہلم تشریف لے گئے۔ تو سینکڑوں آدمی احمدی ہوگئے۔ اور اس وقت ہمارے گاؤں میں بھی احمدیت اپنی شان میں ظاہر ہوئی۔ جب یہ خبر پہونچی کہ حضور علیہ السلام لاہور تشریف لا رہے ہیں۔ تو بندہ کے دل کو بھی آتش شوق نے گرما دیا۔ جسم نہ صرف کمزور تھا۔ بلکہ دکھوں سے بھرپور تھا۔ جو بستر سے اٹھ کر ایک ساعت بیٹھ لینا دشوار سمجھتا تھا۔ اس کے لئے لاہور کا سفر ایک خواب و خیال تھا۔ مگر شوق نے سب مشکلات کو آسان کر دیا۔ اور میں ساتوں رات بارہ میل سفر کرکے ریلوے سٹیشن پر پہنچا۔ اور صبح حاضر دربار ہوا۔ سبحان اللہ و بحمدہ

دہلی دروازہ کے باہر جہاں آجکل احمدیہ مسجد ہے عجیب منظر تھا۔ دشمنوں کی مخالفت زوروں پر تھی۔ اور وہ ایسی حرکات کرتے تھے جس سے ثابت ہوتا تھا۔ کہ یہ لوگ جوش میں دیوانہ ہو رہے ہیں۔ ایک مولوی تھا وہ سڑک کے کنارے ایک درخت پر چڑھ کر گالیاں دے رہا تھا۔ اس کی مجنونانہ پر وحشت حرکات دیکھنے کے لئے ہمارے بعض احباب بھی راہ چلتے کھڑے ہو جاتے۔ اور مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ فرماتے کہ میں سمجھ نہیں سکتا اس کی آواز ہمارے دوست سن کس طرح سکتے ہیں۔ جس روز لیکچر ہوا دس بارہ ہزار کا مجمع تھا۔ عجب شان تھی۔ مولانا عبدالکریم نے لیکچر نہایت بلند آہنگی سے پڑھا۔ اور بعد میں لوگوں کی درخواست پر حضور نے خود بھی ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ حق کا غلبہ ہوا۔ اور باطل پاؤں سر پر رکھ کر بھاگا۔ اس کے بعد دوسری بار سیالکوٹ لیکچر ہوا۔ اور میں وہاں حاضر ہوا۔ علماء سوء نے خوب ناکہ بندی کی۔ ہر موڑ پر ہر دروازہ پر اپنا ایک واعظ بٹھا دیا۔ کہ لیکچر گاہ میں مت جاؤ۔ جماعت علی شاہ نے عین لیکچر گاہ کے بالمقابل اپنا ڈیرہ جما رکھا تھا۔ عجیب شان خدا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ کہ جب حضور علیہ السلام کی سواری پہونچی۔ تو جتنے لوگ مخالفین میں بیٹھے تھے وہ اٹھ کر ہمارے لیکچر میں آگئے۔ مولانا عبدالکریمؓ کا حنجرہ داؤدی پونے تین گھنٹہ تک حضور کا لیکچر سناتا رہا۔ وہاں آپ نے خصوصیت سے ظاہر فرمایا۔ کہ میں ہندوؤں کیلئے کرشن ہوں۔ دستار مبارک کے شملہ سے پہلے مبارک لپیٹے ہوئے خاص ادا شرمگیں کے ساتھ کرسی صداقت پر جلوہ افروز تھے۔ اور مشتاقان جمال پروانہ وار شمع نبوت پر فدا ہو رہے تھے۔ علماء سوء کی مخالفانہ کوششیں ناکام رہیں کبوتروں والی مسجد روح القدس سے معمور ہوئی۔ اور ان لوگوں کی امامت کیلئے از خدام مامور جب حضور مع رفقاء گاڑی پر سوار ہوئے۔ تو سیالکوٹ کے جوانان قوم نے اپنی شرافت کا یہ نمونہ دکھلایا۔ کہ گاڑی پر پتھر مارے۔ اور یوں اپنے عمل سے ثابت کیا کہ ہم ہی وہ فرزندان یہودیت ہیں جن کے لئے مسیحا کی ضرورت ہے۔ سیالکوٹ میں منشی میران بخش صاحب جلوہ سیالکوٹی کی بیٹھک میں فروکش تھا۔ وہاں مخالفوں کی آمد و رفت تھی۔ میں نے بڑے بوڑھوں سے پوچھا۔ کہ مجھے حضرت مرزا صاحب کی قبل از دعوے سیالکوٹی زندگی کا کوئی عیب بتاؤ۔ آخر وہ اہلمد رہے ہیں۔ اور ان پر سب کی نظر ہوتی ہے۔ ان سب نے متفق اللفظ کہا۔ کہ آپ کی زندگی نہایت پاکیزہ تھی۔ اور کوئی نہیں جو ان پر عیب لگائے۔

آخر وہ وقت آگیا کہ میں دارالامان میں حاضر ہوں۔ میرے رفیق سفر میرے ہم عمر۔ ہم سبق مولوی غلام رسول صاحب لنگوی تھے۔ ہم پہلے بٹالے اترے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی سے ملے۔ ان سے بہت گفتگو ہوئی۔ ان سے پہلا سوال میرا یہ تھا کہ حضور کی زندگی دعوے سے پہلے کیا تھی جواب فیہا امر حجًّا آیا۔ مختلف مسائل پر میری باتیں سن سن کر مولوی محمد حسین مجھے کہنے لگے۔ لڑکے تم کہتے ہو میں ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ اور بیمار ہوں۔ مگر تمہارے معلومات بہت وسیع ہیں۔ وغیر ذالک

وہاں سے عقاب یکہ ہمیں دارالامان میں لایا۔ مہمان خانہ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ اپنا گھر ہے۔ شیخ یعقوب علی صاحب کو صبح معلوم ہوا۔ تو مجھے پلاؤ بھجوایا۔ کچھ بستر بھی ان دنوں شیخ صاحب مفتی صاحب عموماً مہمان خانہ میں جاتے۔ مسافروں سے میل ملاقات فرماتے۔ تعلقات بڑھاتے۔

آخر میں تو یہیں کا ہو رہا۔ حضرت مفتی صاحب کے زیر سایہ مجھ بیمار کو بہت آرام ملا۔ جب ہم صبح اٹھتے۔ تو نگاہیں بیت النبوۃ کی طرف لگ جاتیں۔ کب وہ بدر رسالت جلوہ افروز ہوتا ہے۔ اور ہم سیر کو جاتے ہیں۔ ایک دو گھنٹے سیر میں لگ جاتے۔ پھر ظہر کی نماز سے پہلے حضور ٹھہر جاتے احباب سے ملاقات کرتے۔ کلمات طیبات سے تشنگان بادہ عرفان کو سیراب فرماتے۔ یہ داستان شوق بہت لمبی ہے پھر کسی موقعہ پر سنائینگے۔ یہاں آکر بھی لالہ ملاوامل سے ملا۔ شبھ چنتک کے ایڈیٹر کے پاس بہت دیر تک بیٹھا رہا۔ میں نے کہا دعوے سے پہلے کی زندگی کے متعلق ہمیں کچھ بتاؤ۔ بعد کی ہمیں ضرورت نہیں۔ وہ کوئی نقص نہ نکال سکے اور بھلے لوگ اور بھلے پرش ہی کہتے رہے۔

بعد ازاں ہم نے مخالفوں کا اتار چڑھاؤ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ میرزا نظام الدین صاحب کا وہ زور اور سخت زبانی کا شور بھی سنا۔ جو دفتر محاسبہ کی ایک کوٹھڑی کے

تعلق تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہماری کچھ حقیقت ہی نہیں سمجھتے۔ اور پھر حضرت خلیفہ اول کے زمانے میں انہی آنکھوں نے دیکھا۔ کہ بیمار و نحیف ایک کونہ میں بیٹھا ہے۔ سب بیماروں سے فارغ ہو کر گھنٹے کے بعد حضرت حکیم الامت رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ تم کیوں آئے۔ بیماری کا حال عرض کیا۔ اور نسخہ ملا اور رخصت۔ وہ دن بھی یاد ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے حضور میں ان کی یا ان کے کسی قریبی رشتہ دار کی بیماری کا ذکر آیا۔ تو حضور نے مرزا یعقوب بیگ صاحب کو علاج کے لئے بھیجا۔ اور نماز ظہر سے پہلے پھر استفسار حالات کیا۔ نماز کے لئے کھڑے ہو چکے تھے۔

فرمایا۔ پہلے ان کی خبر لے آؤ۔ پھر نماز پڑھتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے آنے تک توقف کیا گیا۔ اللہ اللہ اپنے دشمنوں سے یہ اخلاق ایک بے نظیر صفت ہے جو انبیاء ہی دکھا سکتے ہیں۔

صاحبزادہ مبارک احمد کو بارہا میں نے دیکھا جب وہ مدرسے پڑھنے آتے پیچھے پیچھے دادی مرحومہ (والدہ مولوی شادی خاں صاحب خادمہ اہل بیت) ان کا بستہ اٹھائے بہت بھولی بھالی پیاری پیاری شکل تھی۔ جب صاحبزادہ صاحب بیمار ہوئے تو حضور ان کی تیمارداری میں سخت مصروف رہے۔ ایک روز میں نے حضور کی زیارت اس کمرے میں کی۔ جہاں آجکل حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رہتے ہیں۔ اس کمرے کے اندر سے سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھیں۔ وہاں سے حضور نازل ہوئے۔ یہی ایک دن ہے جب میں نے حضور کے چہرۂ مبارک پر کچھ زردی دیکھی چند مشتاقان جمال سے مصافحہ کیا۔ اور بغیر کچھ فرمانے کے چلے گئے۔

صاحبزادہ مبارک احمد فوت ہو گئے۔ تریاق القلوب کا وہ حوالہ کہ چھوٹی عمر میں خدا تعالیٰ کی طرف مراجعت ہوگی معاً میرے سامنے آیا۔ اور میں نے حضرت مفتی صاحب کو کتاب دی کہ حضور میں پیش کریں۔

دفن کے لئے جب جنازہ مقبرہ بہشتی میں لے جایا جانے والا تھا تو مستری حسن دین صاحب سیالکوٹی نے اس جگہ جہاں آجکل پختہ پل ہے۔ پانی پر سے گذرنے کے لئے سکول کے بنچوں کا ایک پُل بنا دیا۔ حضور اسے دیکھ کر خوش ہوئے۔ کہ احباب کو تکلیف سے بچا لیا۔ مقبرہ سے واپسی کے بعد حضور کے چہرۂ مبارک پر اسقدر شگفتگی کے آثار تھے کہ جیسے کوئی شہنشاہ کے حضور نذر گزران کر اس کی قبولیت کی خبر پر خوش ہوتا ہے۔

خلیفہ رجب الدین لاہوری آئے تو کہنے لگے کہ حضور ہم تو ماتم پرسی کو آئے تھے۔ لیکن حضور کا چانبل (پنجابی لفظ ہے) دیکھ کر اب حرف افسوس زبان پر نہیں لایا جاتا۔ فرمایا۔ خلیفہ صاحب ہم تو ایک ہی روز سیاپہ کر چکے اس کے بعد جو کچھ تھا وہ خدا کا ہے۔ اسی نے دیا اسی نے لیا۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے مالک کسی کو باغ پر مالی مقرر کرے۔ اور پھر اپنا پھل اس کے ہاتھ سے لے کر قبول فرمائے تب مالی خوش ہوگا نہ کہ رنجیدہ۔

شبہ چنتک کے ایڈیٹر و مددگاروں کا ذکر مسجد مبارک میں نماز سے پہلے حضرت مولانا نورالدینؓ نے کیا کہ یہ لوگ سخت شوخی کر رہے ہیں۔ اور باہر اپنی کذب بیانیوں سے غلط فہمی پھیلا رہے ہیں۔ نماز کے بعد حضور نے فرمایا میں ایک اشتہار لکھ کر لاتا ہوں۔ مگر عصر کے وقت معلوم ہوا مضمون ایک رسالہ کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ (چنانچہ قادیان کے آریہ اور ہم تالیف ہوا)

حضور نے ایک نظم بھی لکھی عجیب توارد تھا۔ جو میرے لئے موجب صد فخر و ناز ہوا کہ اسی ردیف و قافیہ میں ایک نظم دوسرے تیسرے روز میں نے عرض کی۔ جس کا ایک شعر ہے

جس میرزا کی خاطر گھر بار ہم نے چھوڑے
آؤ تمہیں دکھائیں وہ میرزا یہی ہے

قادیان کے آریہ اور ہم کا شائع ہونا تھا۔ جو نہ شبہ چنتک رہا۔ نہ اس کا ایڈیٹر نہ اس کا مربی نہ مدرسہ نہ سماج۔ یہ معجزہ میری آنکھوں نے دیکھا۔ مگر افسوس کہ اکثر لوگ بے ایمان کے بے ایمان ہی رہے۔ اس رسالہ کی نظم کا ایک شعر تھا ؎

جس کی دعا سے آخر لیکھو مرا تھا کٹ کر
ماتم پڑا تھا گھر گھر وہ میرزا یہی ہے

منشی کرم علی صاحب کاتب کے چھوٹے سے بچے رحمت اللہ (جو اب بفضلہ جوان جی۔ اے وی کا امتحان دیکر آئے ہیں) نے اپنی سریلی آواز میں پڑھا۔ اور جب وہ میرزا یہی ہے پر پہنچا تو بے اختیار دوڑ کر ساتھ چمٹ گیا۔ اس کی یہ بات ابھی تک مجھے یاد ہے۔

حضور کی مہمان نوازی کی ایک بات یاد آ گئی۔ ظہر سے پہلے آپ تشریف لائے۔ ایک صاحب نے کہا پیاس لگی ہے۔ حضور نے سُن لیا۔ فرمایا میں ابھی پانی لایا۔ وہ نظارہ میرے سامنے ہے۔ کہ آپ دونوں ہاتھوں سے خود صراحی اٹھا لائے۔ اور گلاس میں خود میرے شیر آب نکال کر دیا۔ جب وہ صاحب ایک گلاس پی چکے تو باصرار فرمایا کہ ایک اور پی لیجئے۔ اور اس کا کچھ حصہ پلا کر چھوڑا۔

حافظ ابراہیم صاحب کھڑکی کے پاس بیٹھ رہتے حضور جب تشریف لاتے۔ تو سب سے پہلے یہ ضرور لباس مبارک پر ہاتھ پھیر کر برکات لوٹ لیتے حضور کبھی منع نہ فرماتے۔ جمعہ ان دنوں ہر دو مسجدوں میں ہوتا مسجد اقصیٰ میں مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ پڑھاتے اور مسجد مبارک میں سید محمد احسن صاحب ۵۰۔ ۴۰ منٹ تک طویل خطبہ جس کا نہ سر نہ پیر نہ ابتدا نہ انتہا حضور اس وقار سے سر کو ایک طرف جھکائے بیٹھے رہتے کہ ہمیں تعجب ہوتا اور ہم اس خطبہ کی طوالت پر بہت خوش ہوتے محض اس لئے کہ حضور کا دیدار پر انوار خوب خوب کر لیتے۔

چودہری حاکم علی صاحب مہاجر عموماً میرے ساتھ بیٹھتے اور ساڑھے گیارہ بارہ بجے سے اول ہی مسجد مبارک تمام بھر جایا کرتی۔ اس میں ایک ہی اذان ہوا کرتی تھی۔ جس کے ساتھ ہی خطبہ شروع ہو جاتا تھا۔

حضور پچھلے سالوں میں مغرب و عشا و فجر کے لئے مسجد میں تشریف نہیں لا سکتے تھے۔ اس لئے اندرون خانہ ہی نماز باجماعت ادا فرما لیتے۔

ایک روز شیخ رحمت اللہ صاحب و دیگر احباب لاہور تشریف لائے تو طبیعت ناساز تھی۔ فرمایا اندر ہی آجاؤ۔ میں بھی ساتھ ہی چلا گیا۔ حضور ایک پلنگ پر تشریف فرما تھے جو اتنا چوڑا تھا۔ جتنی بالعموم چارپائیاں لمبی ہوتی ہیں۔ اس کے سرہانے ایک چھوٹا سا میز تھا۔ اس پر موم بتیاں بہت سی پڑی تھیں۔ ایک دوات تھی۔ جس کے گرد غالباً مٹی تھپی ہوئی تھی۔ لوگ بے تکلفی سے جہاں کسی کو جگہ ملی بیٹھ گئے۔ کوئی چارپائی پر کوئی صندوق پر۔ کوئی ٹرنک پر کوئی دہلیز پر کوئی فرش پر۔ دیر تک ہم بیٹھے رہے۔ اور حضور کے کلمات طیبات سے شادکام ہوئے۔ کمرے میں بالکل سادگی تھی۔ کوئی فرش نہ تھا۔ نہ مکلف نہ سامان بلکہ میں نے دیکھا کہ رضائی بھی پھٹی ہوئی تھی۔ اس کی روئی مجھے نظر آ رہی تھی۔

ایک دفعہ جب حضور کو معلوم ہوا کہ دوست آئے ہیں۔ تو اس وقت مہندی لگوائی ہوئی تھی۔ اسی طرح ریش مبارک پر رومال باندھے صرف کرتہ پہنے اغلباً سر پر صرف ٹوپی ہی تھی۔ (یہ بہت پرانی رومی ٹوپی تھی۔ جو اکثر پگڑی کے نیچے رہتی) مسجد مبارک میں تشریف لے آئے۔ اس سادگی و بے تکلفی کے ساتھ میں نے حضور کو صرف ایک ہی دفعہ باہر آتے دیکھا۔ ورنہ آپ نماز و سیر کے لئے جب بھی تشریف لاتے تو کوٹ پہنے پگڑی سر پر رکھے عصا ہاتھ میں لئے تشریف لاتے۔ اسوقت نو بجے کا وقت تھا۔ آپ نے اپنی جیب سے ایک گھڑی نکالی جو رومال میں بندھی ہوئی تھی۔ اور فرمایا۔ اسمیں تو تین بجے ہیں۔ پھر کسی نے چابی لگائی۔ وقت صحیح کر دیا۔ تو آپؑ نے اسے اسی طرح باندھ کر جیب میں ڈال لیا۔ جب حضور کے سامنے ذکر آیا۔ کہ ایک گھڑی آٹھ روزہ چابی لیتی ہے۔ تو بہت خوشی ظاہر فرمائی

آپؑ اپنے بعض صندوقوں کی چابیاں (جس میں غالباً بہت ضروری کاغذات تصانیف وا لہا مات تھے) اپنے پاس رکھتے۔ اور ازار بند سے بندھی رہتیں۔ جس پر آج کل کے احمق و بیوقوف شاید ہنسینگے۔ لیکن جب ان کو اپنی چابیاں کئی بار گم کر دینے یا ضرورت کے وقت نہ ملنے کے واقعات یاد آئینگے تو شرمائینگے۔

سیر کو آپ قریباً ہر روز تشریف لے جاتے۔ دو چار سیر یاد آ گئے۔ ایک تو جاڑے کا موسم تھا۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ آپ باہر تشریف لے آئے۔ مفتی صاحب نے چھتا کرنا چاہا تو منع فرمایا۔ بازار کے رستے آپؑ باہر

بٹراں کی طرف تشریف لے گئے ۔ بازار میں سے بہت کم آپ گذرتے لیکن جب بھی گذرے بعض ہندو عموماً سلام کرتے خصوصاً لالہ سکھرام آنجہانی تو دکان سے نکل کر بازار میں سامنے کھڑا ہو کر جھک کر آداب بجالاتا۔

جب ریتی چھلے سے آگے نکلے تو ہوا ایسی سخت سرد کہ حضرت مولانا نورالدینؓ نے تکلیف کا خیال کرکے اپنا دھسہ پیش کیا۔ آپؑ صرف پوستین پہنے تھے۔ انکار فرمایا۔ پھر حضرت مولوی صاحب کو میں نے دیکھا۔ کہ اپنی چادر کو مشرق کی طرف پھیلائے ہوئے ہاتھوں سے اونچا کئے چلتے تھے۔ تا سرد ہوا سے آپؑ محفوظ رہیں۔ یہ صرف محبت کا فعل تھا۔

اس طرف ایک بار اور میرے سامنے حضور تشریف لے گئے۔ جلسہ سالانہ کے دن تھے۔ احباب کی کثرت تھی۔ یہ طرف اس لئے پسند تھی کہ آبادی اور کھیتی نہ تھی۔ آج کل کے دارالامان میں آنے والے کیا جانیں کہ ان ایام میں یہ دارالفضل دارالعلوم دارالرحمت کچھ بھی نہ تھا۔ جھاڑ ہی جھاڑ تھا۔ اور غیر آبادی کی یہ حالت تھی کہ ایک بار بعض نوجوان دوستوں کی محفل میں عشاء کے وقت ایک عزیز نے ایک روپیہ انعام اس جانباز کے لئے رکھا۔ جو بورڈ ڈنگ والے کنوئیں پر ہو آئے۔ اب تو وہ چہل پہل ہے۔ کہ ایک دنیا آباد ہے۔ پہلے روز تو کچھ سیر ہو گئی۔ وہ بھی اس طرح کہ حضور آگے آگے چلتے۔ اور بیس تیس قدموں کے فاصلے پر پیچھے پیچھے احباب۔

دوسرے روز جب آپ باہر تشریف لے گئے تو اسقدر اژدحام ہوا کہ ہمیں سٹور کے پاس ریتی چھلے ہی میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔ ایک وقت تھا کہ ہم اکیلے تھے۔ اور اب یأتون من کل فج عمیق کی پیشگوئی کے ماتحت رستہ چلنا دشوار ہو رہا ہے۔

اس الہام سے یاد آیا کہ ایک دفعہ ایک امریکن صاحب اور میم قادیان میں آئے۔ حضور نے ان سے دفتر محاسب میں ملاقات فرمائی۔ صاحب سے مصافحہ کیا۔ لیڈی سے مصافحہ نہیں کیا۔ فرمایا۔ ہمارے مذہب میں منع ہے۔ اس لئے نہیں کہ عورت گنہ گار ہے یا ناپاک۔ اس صاحب نے کہا آپ کو نبوت کا دعویٰ ہے۔ حضور نے فرمایا۔ ہاں اس نے کہا۔ آپ کے بھائیوں نے تو نشانات دکھائے۔ اور آپ کا نشان؟ ہم اس وقت سوچنے لگے۔ کہ حضور کیا جواب دیتے ہیں۔

حضور نے فرمایا۔ تم میرا نشان ہو۔ اس نے حیران ہو کر کہا یہ کیونکر۔ فرمایا تمہارے آنے کی خبر پچیس برس پیشتر خدا نے مجھے دی۔ اور فرمایا یأتون من کل فج عمیق

پھر عبدالحئیؓ مرحوم کو پیش کیا۔ کہ اس کی ولادت کی خبر خدا نے میرے ذریعہ سے قبل از وقت دی۔ اور بتایا کہ اس بچہ کے جسم پر پھوڑے ہونگے جو کسی دوائی سے اچھے نہیں ہونگے

ایک بار حضور ادھر کاہواں کی طرف تشریف لے گئے

اس روز ازواج امہدیٰ کا ذکر ہوا۔ فرمایا۔ غریب عورتیں آجائیں بعض امراء گھروں میں انہیں بنظر حقارت دیکھا جاتا ہے۔ اور انسان کی اس کی انسانیت اور اس کے ایمان کے لحاظ سے عزت نہیں کی جاتی۔ یہ بہت بڑا اخلاقی نقص ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ ہر گھر میں ایک تختی لگی ہوئی ہو۔ جس پر موٹے خط میں ہدایات درج ہوں۔ اس روز اتفاق سے میری نوٹ بک دفتر ہی میں رہ گئی۔ حضرت مفتی صاحب کے پاس بھی کوئی کاغذ یا کاپی نہ تھی عجب مشکل پیش آئی۔ میں تو حیران ہی تھا۔ مگر حضرت مفتی صاحب نے جھٹ ایک ٹھیکرا اٹھا لیا۔ اور اس پر لکھنا شروع کر دیا۔ آگے چل کر ایک پتہ سوکھا ہوا اٹھا یا اور بقیہ حصہ اس پر نوٹ کیا۔ یہ تاریخی چیزیں میں نے محفوظ کر لی تھیں۔ اب ملتی نہیں خدا جانے کہاں بھول گئیں۔

سیر کے وقت ڈائری لکھنا بھی کار ے وارد والا معاملہ تھا آنکھیں چاہتیں کہ ہم بجائے رستے کے یا نوٹ بک کے اس چہرۂ انور ہی کو دیکھتی رہیں۔ چونکہ ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ حضور کے ساتھ ہی چلے۔ اس لئے ٹھوکریں بہت لگتیں۔ اور عموماً پنڈلیاں اور پاؤں زخمی ہو جاتے۔ خصوصاً ڈائری نویس کے جسے چلتے چلتے لکھنا پڑتا۔ حضرت مفتی صاحب کا فل بوٹ البتہ کچھ بچاؤ کر لیتا۔

یہ مضمون لکھ رہا ہوں۔ تو چودہری عنایت اللہ خان صاحب انسپکٹر کی خبر وفات پہونچی۔ وہ جب پہلے پہلے قادیان آئے تو حضور سے سیر کے وقت بسراواں کے راہ میں ملاقات ہوئی۔ سامنے ہوتے ہی کانپنے لگے۔ دفتر میں آکر بیان کیا کہ میں عرصہ سے گورنمنٹ کی ملازمت میں ہوں۔ پولیس والے یوں ہی سخت دل ہوتے ہیں۔ میں کبھی کسی کے رعب میں نہیں آیا۔ بڑے بڑے چودہریوں اور رئیسوں کی میں نے کچھ ہستی نہیں سمجھی بلکہ ان کی گوشمالی کی۔ لیکن خدا جانے کیا بات ہے۔ ان کے سامنے ہوتے ہی میں کانپنے لگا۔ اس سے ان کو حضور سے بہت ہی اعتقاد ہو گیا۔

حضور جب سیر میں تشریف لے جاتے تو حضرت مولوی صاحب پیچھے رہ جاتے۔ آپ نے کبھی کوئی بات کرنی ہوتی تو مڑ کر اس طرف منہ کر لیتے۔ اور بعض اوقات حضرت نواب صاحب حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اول کا انتظار فرماتے۔ کہ آجائیں تو چلیں۔ نواب صاحب اور مولوی محمد علی صاحب سیر سے کچھ جی چراتے تو ایک روز ہنس کر فرمایا ان کو جبر آلے چلنا چاہیئے۔ اور عموماً اہتمام کر کے لے جاتے۔ کیونکہ دونوں صاحبوں کی صحت بیٹھنے سے ان دنوں ناقص ہو رہی تھی

اخبار بدر میں الہامات و وحی کا پروف حضور کو ملاحظہ کرا کے چھاپا جاتا تھا حضور کو اس قدر خیال ہوتا۔ کہ ایک روز میں نے پروف پر سالن سے رنگین انگوٹھے کا نشان دیکھا۔ معلوم ہوا کہ کھانا کھاتے تھے۔ جو کسی نے پروف جا دیا۔ آپ نے اسی وقت پڑھنا شروع کر دیا۔ اور پڑھ کر پھر بقیہ کھانا تناول فرمایا۔

اللّٰھم صل علیٰ محمدٍ و علیٰ خلفاء محمدٍ و علیٰ عبدک المسیح الموعود

اور بھی کئی باتیں یاد آرہی ہیں۔ مگر مجھے ختم کرنا چاہیئے اب میں ذرا داستان شوق کا آخری باب کچھ سنا لوں۔

حضور لاہور تشریف لے گئے۔ آہ مئی کا مہینہ اور ۱۹۰۸ء ایک روز میں نے صبر سے کام لیا۔ اور آخر جذبات شوق نے ایک نظم کی صورت اختیار کی۔ جس کا مطلع ہے

صفحۂ ارض پہ زریں ہے نشان لاہور
بڑھ گئی چرخ چہارم سے بھی شان لاہور

اس میں ایک شعر تھا۔

اپنے اکمل کو بلا لیجئے جلدی حضرت
دیکھنا چاہتا ہے وہ بھی مکان لاہور

یہ نظم کسی نے سنا دی۔ حضور اسوقت شالامار میں جلوس فرما تھے۔ ارشاد ہوا بلالو۔ حضرت مفتی صاحب نے مجھے تار دیا۔ اور میں وہاں پہونچا۔ وہیں بدر کا ڈیکلریشن دیدیا۔ اور اخبار وہیں سے نکلنے لگا۔ ان دنوں ایسی پابندیاں نہ تھیں۔ وفات سے پہلے روز عصر کے وقت حضور باہر تشریف لائے۔ ہمارا رشید احمدؓ (جو یہیں قادیان میں ہے) ارشد گوٹکی سے پہونچا۔ میں نے پیش کیا بیعت کرائی۔ اور عرض کیا۔ کہ اس کی والدہ کی خواہش ہے۔ کہ حضور اس یتیم پر دست شفقت پھیریں۔ آپ نے پیٹھ پر تھپکی دی۔ اس اعتبار سے میں سمجھتا ہوں۔ یہ عزیز آخری صحابی ہے۔ سحری کے وقت خبر ملی کہ حضور کی طبیعت علیل ہے۔ دعائیں کی جائیں۔ پھر خبر آئی کہ سخت بیمار ہیں۔ سنتے ہی چھکے چھوٹ گئے۔ صبح حضرت مفتی صاحب نے مجھے اخبار بدر چھپوانے کے لئے پنجاب سماچار کے دفتر میں بھجوایا۔ جب میں واپس آیا تو احباب میں ایک خاص قسم کی گھبراہٹ دیکھی مگر کوئی کچھ بتاتا نہیں تھا۔ آنکھیں پر نم تھیں۔ اور ہونٹ خشک۔ حضرت مفتی صاحب نمودار ہوئے میں نے حال پوچھا۔ مجھے بازو سے پکڑ کر اس کمرے میں لے گئے۔ جہاں پلنگ پر حضور استراحت جاوید فرما چکے تھے۔ آپ کا تہبند نصف سینہ تک پڑا تھا۔ چہرہ مبارک پر دوسری چادر تھی۔ میں سمجھ گیا اور جھٹ جھک کر پیشانی مبارک پر بوسہ دیا۔ اس کے بعد کچھ سکتہ کا عالم ہو گیا۔

ہاں میں نے یہ محسوس کیا کہ مفتی صاحب نے مجھے کمرے سے باہر لاکر نیچے پہنچا دیا۔ میں اپنے کمرے میں آگیا۔ اور بچوں کی طرح دہاڑیں مار مار کر رو دیا۔ آدھ گھنٹہ کے بعد طبیعت صاف ہوئی۔ اور میں نے عواقب الامر کو سوچا دشمنوں کے تمام حملے حضور کی پیشگوئیاں سب باتیں میرے سامنے آئیں۔ اور آخر مجھ پر ایک سکینت کا نزول ہوا۔ اور میں نے دیکھا کہ یہ بات میخ آہنی کی طرح میرے سینے میں گڑی ہوئی ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب خدا کے سچے مامور و مرسل اور وہی مسیح موعود و مہدی معہود ہیں۔ جس کے آنے کا وعدہ بیدل کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کے ذریعہ اہل جہان کو دیا گیا۔ میری نجات اسی آستانۂ قدسی پر سر بسجود رہنے میں ہے اور میری زندگی یہی ہے کہ میری موت حضور کے سلسلہ کی خدمت میں ہو۔ باہر نکلا تو ایک سوانگ دیکھا۔ جو موچی دروازہ کے گنڈے بعض علماء سوء کی سرکردگی میں نکال کر لائے۔ تھوڑی دیر بعد پولیس کا پہرہ ہو گیا۔ تجہیز و تکفین ہوئی۔ وہاں جنازہ پڑھا گیا۔ اور جنازہ سٹیشن کی طرف روانہ ہوا۔ اور تو سب شور ہی مچا رہے تھے۔ اور نہایت کمینہ حرکات کے مرتکب مگر دو شخصوں کی شرافت مجھے اب تک یاد ہے۔ غالباً ہندو بابو تھے۔ جو نہایت ادب سے رستہ کے ایک طرف کھڑے

ہو گئے۔ سٹیشن پر پہونچے تو عجب خلفشار کا عالم تھا۔ میں گاڑی سے رہ گیا۔ مگر امرتسر پھر جا ملا۔ رات بٹالہ گذری اور صبح قادیان پہونچے۔ یہاں حضور کا جنازہ اس مکان میں رکھا گیا۔ جہاں آج کل چودھری فتح محمد صاحب رہتے ہیں۔ وہاں آخری زیارت ہوئی۔ میں کھڑا ہو گیا۔ اور آنکھوں سے کہا۔ اے میری آنکھو اس رخ پر نور کو اچھی طرح دیکھ لو دنیا نے ۱۳۰۰ برس تک نبی کی شکل نہ دیکھی تھی۔ تم کو یہ نعمت عظمیٰ نصیب ہوئی۔ اب یہ شکل اب تمہارے سامنے سے اوجھل ہوتی ہے ؎

دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے
احمد آخر زمان کی صورت

وہ وقت وہ لمحہ گذر گیا۔ مگر تصویر میری آنکھ میں تصور میرے دماغ میں یاد میرے دل میں اور نام زبان پر ہے۔ ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

(اکمل قادیان)

میری پرانی نوٹ بک

اکرام ضیف

۲۳ر نومبر ۱۹۰۲ء کی شام کو ایک کشمیری حاضر خدمت تھا۔ فرمایا ہمارے مہمانوں کو تکلف نہیں کرنا چاہئے۔ جو ضرورت ہو مجھے لکھدیا جاوے۔ (اس کو لوگ وطن میں تنگ کرتے تھے۔ اس لئے فرمایا۔ عرفانی) جسکو لوگ خدا کے لئے تنگ کریں خدا تعالیٰ اس سے خوش ہو جاتا ہے۔

تائید الٰہی

ایک اشتہار آپ نے تحریر فرمایا تھا۔ اس کے سلسلہ میں فرمایا۔ "خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید اور روح القدس کی تائید نہ ہو تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں ایسا دیکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک روح اندر اتر رہی ہے اور کام کر رہی ہے۔

قلم رکتا نہیں۔ جوش تھمتا نہیں۔ اور طبیعت محسوس کرتی ہے کہ یہ خدا کی تائید اور قوت سے ہو رہا ہے۔ اور وہ کیفیت ظاہر نہیں کی جا سکتی جو روح القدس کی تجلی سے پیدا ہوتی ہے۔"

مسٹر گاندھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(از قلم ندرت رقم جناب میر محمد اسحٰق صاحب مولوی فاضل)

جناب میر محمد اسحٰق صاحب کا نام نامی میری کسی معرفی کا محتاج نہیں۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے برادر نسبتی ہیں۔ آپ ایک قادر الکلام مقرر ہیں آپ کی تقریروں کی نمایاں خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ معنی خیز عام فہم اور مدلل ہوتی ہیں۔ یہ خوبی ان کی تحریروں میں بھی ہمیشہ نمایاں ہے۔

الحکم کے خاص نمبر کے لئے جس مضمون کو انہوں نے انتخاب کیا ہے حقیقت میں وہ نہایت ضروری اور واقعات حاضرہ کی حیثیت سے اہم تھا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بظاہر مسٹر گاندھی کا مقابلہ یا موازنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے قائم کرنا کچھ ناگوار سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس وہم کا ازالہ لازمی اور ضروری ہے۔ جو مسٹر گاندھی کی وقتی کامیابی اور قبولیت سے صداقت کو مشکوک کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ جناب میر صاحب نے جس قابلیت کیسا تھ اس وہم کا ازالہ کیا ہے۔ وہ قابل دید ہے۔ ؏

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

عرفانیؔ

حق و باطل میں اشتباہ کس طرح ہوتا ہے

بسا اوقات ایک ناواقف امیر ایک معمولی پتھر کو ہیرا سمجھکر ہزاروں روپیوں کو خرید لیتا ہے۔ اور ایک جاہل متمول جرمن سلور کی چمک سے متاثر ہو کر اس کو خالص چاندی کے بھاؤ مول لیلیتا ہے۔ مگر ماہر جوہری خوب سمجھتا ہے کہ یہ ایک کوڑی کا پتھر ہے اور مشاق صراف اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ جھوٹی اور نقلی چاندی ہے۔ اسی طرح ایک ناتجربہ کار زمیندار کھیت بو کر برسنے والے بادلوں کے انتظار میں دور سے ایک خطرناک کالی آندھی کو پانی سے لدا ہوا بادل سمجھکر جھوم جھوم کر کہتا ہے کہ ھٰذا عارض ممطرنا مگر قدرت ہنستی ہے اور کہتی ہے بل ھو ما استعجلتم بہ ریح فیھا عذاب الیم۔

یہ غلط فہمیاں اور دھوکہ صرف مادی دنیا ہی میں جلوہ گر نہیں۔ بلکہ ان کا ظہور روحانیات کے عالم میں بھی بڑے زور و شور سے ہوتا ہے۔ اور کبھی باطل اپنی جھوٹی چمک اور اپنی غیر معمولی ترقی سے ضعیف دلوں کو حیران اور کمزور آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے۔ اور سنت اللہ سے ناواقف لوگ حق و باطل میں امتیاز نہ کر سکنے کے باعث باطل کو حق اور حق کو باطل سمجھکر ایسی ٹھوکر کھاتے ہیں جس سے منہ کے بل گر جاتے ہیں۔

ایک اہم سوال

انہیں ٹھوکروں میں سے ایک ٹھوکر اور انہیں لغزشوں میں سے ایک لغزش وہ سوال ہے جو بعض لوگوں کے دلوں میں خلجان پیدا کرتا ہے۔ کہ یہ جو ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم لھم المنصورون۔ وان جندنا لھم الغالبون کے ماتحت قرآن مجید سنت اللہ پیش کرتا ہے۔ کہ خدا کے نبی اس دنیا سے اپنے کام میں کامیاب ہو کر جاتے ہیں۔ اور اکیلے ہو کر آتے ہیں۔ اور ہزاروں کو اپنا ہم خیال بنا کر جاتے ہیں۔ یہ امر انبیاء علیہم السّلام کی صداقت کی کس طرح دلیل ہو سکتا ہے ہم جبکہ ہم بہت سے لوگوں کو جو نبی نہیں۔ بلکہ مسلمان بھی نہیں۔ اسی طرح کامیاب ہوتا دیکھتے ہیں۔ اور نمونوں کو جانے دو مسٹر گاندھی اس امر کا ایک بیّن نمونہ ہیں۔ دیکھو مسٹر گاندھی نے ایک پرچار شروع کیا۔ مگر کیا وہ اس پرچار میں اکیلے رہے؟ نہیں۔ بلکہ قریباً سارے ہندوستان نے اسکو قبول کیا۔ اور

مسٹر گاندھی بمقابلہ حضرت مہدی

کشمیر سے لیکر راس کماری تک عموماً ہر ہندوستانی نے بلا امتیاز قوم و ملت ان کی آواز پر لبیک کہی۔ اور ان کے منہ سے نکلنے کی دیر ہوتی ہے کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک سب لوگ ان کا حکم ماننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

ایک سوال پس اگر کسی مشن کو لیکر کھڑا ہونا اور پھر لوگوں کا قبول کر لینا صداقت اور خدا کی طرف سے ہونے کی دلیل ہے۔ تو مسٹر گاندھی کو بھی خدا کا نبی سمجھنا پڑے گا۔ حالانکہ تم ان کو مسلمان بھی ماننے کے لئے تیار نہیں۔

یہ ایک سوال جو بظاہر وزنی اور یہ ایک اشکال ہے جو بظاہر لاینحل معلوم ہوتا ہے۔ مگر جن کو خدا نے بصیرت کی آنکھ اور عقلمند دل دیا ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ حق و باطل میں کیا امتیاز ہے۔ وہ باطل کی جھوٹی چمک سے متاثر نہیں ہوتے۔ اور نہ حق کے باقاعدہ ترقی کرنے کو اسکی کمزوری پر محمول کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ سنت اللہ یہی ہے۔

قرآن مجید کا جواب

اس بظاہر لاینحل سوال کے متعلق ہم کو غور کرنے کی ضرورت نہیں۔ خود قرآن مجید نے اس کو حل فرما دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ افکلما جاءکم رسول بما لا تھوی انفسکم استکبرتم ففریقاً کذبتم وفریقاً تقتلون (سورہ بقر)

انبیاء کی بعثت کی نمایاں خصوصیت

یہ آیت ایک فیصلہ کن معیار ہے۔ جو خدا کے نبیوں اور دوسرے بظاہر کامیاب ہونے والے ریفارمروں میں ایک بیّن امتیاز قائم کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کلما کے لفظ نے بتایا کہ کوئی ایک بھی نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا۔ جس نے دنیا کے سامنے منوانے کے لئے وہ بات پیش کی ہو۔ جس کی خود دنیا پہلے سے خواہشمند ہو۔ بلکہ ہر نبی نے وہ بات دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔

جس سے لوگوں کے نفس آرام یافتہ نہ تھے۔ اور ان کے نزدیک وہ امر محبوب و پسندیدہ نہ تھا۔ مگر دنیا کے ریفارمر دنیا سے وہ بات منواتے ہیں۔ جس کو دنیا کا نفس پسند کرتا ہے۔ اور دنیا کے نزدیک وہ امر مرغوب ہوتا ہے۔

نبیوں کا جماعت پیدا کر لینا انکی صداقت کی دلیل ہوتی ہے مادی ریفارمردوں کی نہیں۔

پس نبیوں کا اکیلے ہوکر ہزاروں کو اپنے ساتھ کر لینا تو بے شک ان کی سچائی کی دلیل ہے کیونکہ وہ دنیا سے ایسی باتیں منواتے ہیں۔ جو دنیا کو ناپسند ہوتی ہے اور کسی سے ایسی بات منوانا جو اس کو ناپسند ہو منوانے والے کے جذب اور قوت اور خدا کی طرف سے ہونے کا ثبوت ہے۔ مگر دنیادی ریفارمردں کا لوگوں سے وہ امور منوانا جس کو خود دنیا کے نفس پسند کرتے ہوں ان کی سچائی اور منجانب اللہ ہونے کا ہرگز ثبوت نہیں۔ کیونکہ لوگوں کا ماننا ان مصلحین کے کہنے کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ ان کا ماننا ان کے اپنے نفس کی خواہش کا پورا ہونا ہوتا ہے۔ اس لئے اس ماننے اور اس تعمیل ارشاد میں ان ریفارمردں کے ہاتھ کا کوئی کرشمہ نہیں ہوتا۔ ہاں نبیوں کی اصلاح بے شک معجزہ اور ان کا پیدا کردہ تغیر لاریب ایک بے نظیر معاملہ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ دنیا سے وہ بات منواتے ہیں جو دنیا نہیں مانتی۔ مگر خدا کی تائید اس کی نصرت ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ وہ توجہ سے جذب سے دعا سے دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ سے کبھی دن رات پیچھے پڑ کر خدا کے جلالی نشانوں اور جمالی کارناموں سے بالآخر دنیا کو کھینچ لاتے ہیں۔ اس امر کی طرف جس سے دنیا بھاگتی ہے اور یہ کھینچ لانا لاریب دلیل ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے دعووں میں سچے اور من جانب اللہ ہیں۔ ان کے ہاتھ میں کوئی تلوار نہیں ہوتی۔ نہ لالچ دینے کے لئے ان کے پاس روپیہ ہوتا ہے ہاں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ جس سے وہ دنیا کو کھینچ لاتے ہیں۔

دور حاضرہ کا روحانی معلّم اور سیاسی لیڈر

اس اجمال کی تفصیل کیلئے ہم موجودہ زمانہ کے دو ریفارمردں کے حالات کا موازنہ کرتے ہیں۔ ایک مسٹر گاندھی دوسرے حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

مسٹر گاندھی کو لو وہ اٹھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہندوستانیو تم چونکہ مادر ہند کے فرزند ہو اس لئے تم کو اس کی ترقی کی فکر چاہیئے لوگوں نے کہا لبیک۔ مگر کیا یہ مسٹر گاندھی کی کامیابی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ کیونکہ کون ہے جو اپنے ملک سے محبت نہیں کرتا؟

اعلیٰ اور ادنیٰ مہذب اور غیر مہذب عالم اور جاہل غرض ہر فرد بشر دنیا کا بلکہ چرند پرند تک اپنے ملک کی الفت میں سرشار اور اپنے وطن کی محبت میں مخمور ہوتے ہیں۔

پس مسٹر گاندھی کی اس آواز پر لبیک کہنا مسٹر گاندھی کی صداقت کی دلیل نہیں۔ بلکہ انسانی فطرت اور نفس کی خواہش کے ظہور کا کرشمہ ہے۔

اسی طرح مسٹر گاندھی نے کہا کہ انگریز انگلستان کے رہنے والے ہیں۔ حکومت کی باگ ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔ جو اس ملک کے باشندہ ہوں۔

مسٹر گاندھی کا یہ کہنا تھا کہ راس کماری سے کشمیر تک لوگ پکار اٹھے۔ امنا وصدقنا۔ مگر کیا مسٹر گاندھی کے لئے؟ نہیں بلکہ اپنے نفس کے لئے۔ کیونکہ ہوم رول۔ اپنے گھر کی سلطنت کون ہے جو نہیں چاہتا؟ کون دوسرے کی حکومت کے جوئے کو خوشی سے اپنے کندھے پر رکھنے کے لئے تیار ہے؟ آزادی کا کون مستحق نہیں؟ کون ہے جسے تخت پیش کیا جاوے۔ اور وہ انکار کرے؟ کسے حکومت کی کرسی دیجاوے۔ اور وہ اسے ٹھکرا دے؟ کیا وہ قوم جو خاں صاحب رائے صاحب اور سردار صاحب کے ادنیٰ خطابوں کے لئے حکام کی سالہا سال خوشامد کرے اسے ہز مجسٹی کا خطاب پیش کیا جاوے۔ تو وہ شادیٔ مرگ نہ ہو جاویگی؟

پس مسٹر گاندھی کا کہنا۔ کہ میرے پیچھے چلو۔ میں نو ماہ میں تم کو ہوم رول دلادوں گا۔ اور پھر لوگوں کا اندھادھند پیچھے چلنا مسٹر گاندھی کے کس جذب کی دلیل ہے؟ اندھا کیا چاہے؟ دو آنکھیں۔ کیا سلطنت نفس کو مرغوب نہیں؟ کیا حکومت کی حرص انسانی فطرۃ میں نہیں؟ کیا اقتدار کی محبت انسانی طبیعت کا خاصہ نہیں؟ جب ان سب سوالوں کا جواب اثبات میں ہے تو پھر مسٹر گاندھی نے کیا مشکل بات منوائی؟ اور کونسی کٹھن منزل طے کرائی۔

کیا سلطنت ایک زہر ہے۔ جس سے لوگ بچتے ہیں؟ یا ہوّا ہے جس سے لوگ ڈرتے ہیں؟

پس لوگوں کا مظاہرے کرنا۔ کھدر پہننا۔ چرخہ کو چکر دے کر چوں چوں کرنا۔ جیل خانہ کو ہنسی خوشی جانا۔ خطاب واپس کرنا اور گورنمنٹ سے عدم تعاون اختیار کرنا یہ سب امور مسٹر گاندھی کے حکم کی وجہ اور ان کے جذب کے سبب سے نہیں۔ بلکہ صرف سلطنت حکومت بادشاہی کی حرص اور امید اور طمع کی وجہ سے۔

ہاں مسٹر گاندھی نے تحریک کی اور چونکہ جس امر کی تحریک تھی وہ دلوں کو مرغوب اور نفوس کو محبوب اور دنیا داروں کا عین مقصود تھی۔ اس لئے سب لوگ مسٹر گاندھی کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔

اگر کوئی کہے کہ مسٹر گاندھی کے کہنے سے قبل کیوں لوگ یہ قربانیاں نہیں کرتے تھے۔

تو میں کہوں گا کہ ہوم رول تو پہلے سے لوگوں کو پسند تھا۔ اور اپنی سلطنت تو ہمیشہ سے اہل ہنود کو مرغوب تھی۔ مگر امید نہ تھی جو بر آتی نظر آتی ہو۔ اور کوئی سامان نہ تھا جو ان کو بنتا دکھائی دیتا ہو۔ اور کوئی ہاتھ نہ تھا جو ان کو پکڑ کر اس راستہ پر لے چلے۔ مگر جب مسٹر گاندھی کی آواز سنائی دی تو دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی۔ اور وہ بجھا ہوا عشق جاگ اٹھا۔ پس اب جو لوگوں نے مشقتیں برداشت کیں اور گورنمنٹ کا مقابلہ کیا۔

وہ اس لگن کا نتیجہ ہیں جو ایک محبوب کے وصال کے لئے خدا تعالیٰ نے انسانی فطرت میں مرکوز رکھی ہے۔ اور اس جذب کا ثمرہ ہے جو خالق فطرۃ نے مطلوب کے حصول کے لئے انسانی طبیعت میں ودیعت کیا ہے۔

بات تو تب تھی کہ مسٹر گاندھی خدا کے نبیوں کی طرح لوگوں کو ایسی بات کا حکم دیتے جو نفس پر شاق گذرتی ہے اور ایسے امر کا لوگوں سے مطالبہ کرتے جو ان کو مرغوب نہ ہوتا اور پھر لوگ ان کی بات مانتے۔ تب ہم سمجھتے کہ گاندھی کے ساتھ خدا ہے۔ جو نہ ماننے والی بات منواتا ہے۔ اور ناپسندیدہ کو پسندیدہ کر دیتا ہے۔

غرض مسٹر گاندھی کو لوگوں نے مانا اور خوب مانا اور ان کی آواز پر لبیک کہی۔ اور بڑے زور سے کہی۔

ذرا سوچو کہ مسٹر گاندھی نے لوگوں سے کیا منوایا؟ کیا وہ امر جس کو لوگ بالطبع ناپسند کرتے تھے اور دور بھاگتے تھے۔ یا وہ امر کہ جس پر جان و دل سے لوگ فدا اور قربان تھے۔ انسان جو کہ بالطبع روپیہ پیسہ حکومت عزت کا خواہشمند ہے کیا وہ ہوم رول کے مطالبہ کو خواہ وہ خیالی پلاؤ ہو رد کر سکتا ہے؟ یا کیا وہ اپنی سلطنت کے پُر حلاوت تصور کو خواہ وہ وہمی ہو اپنے پاؤں سے ٹھکرا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور بالکل نہیں۔

پس مسٹر گاندھی اپنے مشن کو لوگوں سے منوالینے میں منجانب اللہ نہیں۔ اور نہ انکی کامیابی میں خدا کی غیر معمولی امداد کا ہاتھ کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو ان کی اپنی مرغوب چیز کی طرف بلایا لوگ آگئے۔ ان کی مثال بالکل ایسی ہے۔ جیسے کوئی شخص دس بھوکوں کو پلاؤ پکا کر دعوت پر بلائے۔ اور وہ فوراً اس کے گھر پر پہنچکر دعوت میں شریک ہوں اور وہ لوگوں کو فخر یہ کہے کہ دیکھو میرا رعب اور مشاہدہ کرو میرے اقتدار کا کہ میرے کہنے پر یہ دسوں کے دسوں کھنچے چلے آئے۔ حالانکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے حکم سے نہیں۔ بلکہ پلاؤ کی خوشبو انہیں کھینچ لائی ہے۔ اور اس کے جذب نے نہیں بلکہ ان کی نفس نے ان کو آنے پر آمادہ کیا ہے۔ اس کی کوئی خوبی نہیں نہ اس کا کوئی جذب ہے۔ نہ اس کی کسی توجہ کا کوئی کرشمہ ہے

لیکن برخلاف اس کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھو کہ مطابق اس سنہری اصول افکلما جاء کم رسول بما لا تھوٰی انفسکم

آپ نے جس امر کی طرف لوگوں کو بلایا۔ اس سے لوگ بالطبع بھاگتے تھے۔ اور جو بات ان سے منوانی چاہی۔ لوگ اس سے متنفر تھے۔ اور جس راستہ پر ان کو چلانا چاہا۔ لوگ اسپر چلنے سے کانوں پر ہاتھ دھرتے تھے۔ مگر باوجود اس نفرت کے آپ نے وفات نہیں پائی جب تک کہ لاکھوں آدمیوں کو اپنے راستے پر نہ لگا لیا۔ اور اب خدا کے حضور نہیں گئے جب تک کہ لاکھوں سے وہ امور نہ منوائے جن کو ماننا لوگ موت کے برابر سمجھتے تھے۔

۱۔ حضرت مسیح کی وفات کو منوانا

دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کو کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ نہیں۔ بلکہ فوت ہو گئے ہیں۔ اور آسمان پر نہیں۔ بلکہ زیر زمین مدفون ہیں۔

انصاف سے بتاؤ کہ کیا یہ امر مسلمان ماننے کے لئے تیار تھے؟ کیا وہ عقیدہ جو سینکڑوں برس سے مسلمانوں کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اور جس کو کابراً عن کابر مانتے چلے آتے تھے۔ وہ کسی کے کہنے سے چھوڑ سکتے تھے؟

کیا وہ رفع کی آیات اور نزول کی حدیثوں کے ان مطالب کو چھوڑ سکتے تھے۔ جن پر سنی شیعہ اور خارجی متفق تھے؟ کیا وہ تفسیروں کے انباروں اور علم کلام کی کتابوں کے ڈھیروں کے بوجھ کے نیچے سے نکل سکتے تھے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ لیکن نتیجہ کو دیکھو کہ لاکھوں اہل علم نے مباحثہ کرکے مناظروں کی مجلس گرم کرکے تقریر و تحریر کے ذریعہ حیات مسیح کو ثابت کرنے کی پوری اور سر توڑ کوشش کرکے آخر صاف کہہ دیا

ابن مریم مر گیا حق کی قسم
داخل جنت ہوا وہ محترم

انصاف کرنے والو سوچو اور سوچنے والو انصاف کرو کہ کیا لاکھوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات منوا لینا مرزا صاحب کی بے نظیر کامیابی کی دلیل نہیں؟ اور اس امر کا ثبوت نہیں کہ مرزا صاحب کی مدد میں خدا کا ہاتھ تھا؟

سرسیدؒ اور حضرت مسیح موعودؑ کا امتیاز مسئلہ وفات مسیح میں

کوئی کہہ سکتا ہے کہ سید احمد خاں نے بھی اس عقیدہ کو پیش کیا۔ اور انگریزی خوان طبقہ نے اسے قبول کر لیا۔ مگر میں کہوں گا کہ یہی تو آسمانی مصلحین اور زمینی ریفارمروں میں فرق ہے۔ کہ سید صاحب نے جن سے وفات مسیح منوائی وہ تھے ہی وہ لوگ جو اس امر کو پہلے سے ماننے کے لئے تیار تھے۔ ان کی بنیاد تو یورپ کا فلسفہ تھا۔ وہ پہلے سے ہی کب دل سے حضرت عیسیٰ کو زندہ سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک تو ہر معجزہ لغو اور خارق عادت امر باطل ہے۔

پس سید احمد خاں کا انگریزی خوان طبقہ سے وفات مسیح منوا لینا مسٹر گاندھی کے ہوم رول منوا لینے کے مترادف ہے۔ کیونکہ جس طبقہ سے سید صاحب نے یہ عقیدہ منوایا وہ تھا ہی اس قسم کا کہ ان کو ان کی صحیح اور سچی باتوں پر بھی ایمان نہ تھا۔ لیکن مرزا صاحب کا لاکھوں سے وفات مسیح منوانا ایک معجزہ ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب نے اس طبقہ سے اس مسئلہ کو منوایا۔ جو دین میں راسخ اور سچے دل سے حضرت عیسیٰ کو زندہ مانتے اور ان کی شان و شوکت والی جلالی آمد پر ایمان لانے والے تھے۔ وہ قرآن کے معتقد حدیثوں کے معتقد معجزات کے قائل۔ اماموں مجددوں اور علماء امت اور علماء ملت کی اقوال کو نظر عزت سے دیکھنے والے تھے۔ وہ نہ یورپ کے فلسفہ سے متاثر نہ دہریت کے حملہ سے مانوس تھے۔ وہ قرآن کی بنا پر حدیثوں کے سہارے پر دلی اطمینان اور قلبی یقین سے اس عقیدہ پر قائم تھے۔ انہوں نے سنتے ہی انکار کیا۔ اور بڑی رد و قدح کے مناظرے کئے۔ مباحثات قائم کئے۔ مگر برسوں کی جنگ کے بعد آخر مرزا صاحب کے آگے انہوں نے ہتھیار ڈال دئے۔ اور اعلان کر دیا کہ امنّا بانک صادقٌ

پس مرزا صاحب کا لاکھوں مسلمانوں سے جو دلی یقین کے ساتھ مسیح کی آمد ثانی کے قائل تھے۔ وفات مسیح منوا لینا ایک معجزہ ہے۔ جس کی نظیر نہیں۔ اور ایک کرشمہ ہے جس کا ظہور اللہ کے ہاتھ سے ہوا۔

۲۔ مہدی کی جمالی آمد

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ مسلمانو! مہدی جلالی نہیں۔ بلکہ جمالی ہے۔ اور تلوار لیکر نہیں آئیگا۔ بلکہ دلائل لے کر اور روپیوں سے تمہارے گھر نہیں بھرے گا۔ بلکہ دلوں کو ایمان سے پُر کریگا۔

مسلمانو! خدا سے خوف رکھنے والو! سوچو کہ کیا یہ بات لوگ ماننے کے لئے تیار تھے۔ ذرا غور کرو۔ کہ تیرھویں صدی کی مفلوک الحال قوم جس کے ہاتھ سے نکلی ہوئی بیسیوں سلطنتوں کی واپسی کا صرف مہدی کی تلوار پر انحصار تھا۔ اور جس کی غربت کا ازالہ صرف مہدی کے روپیوں کی تھیلیاں تھیں۔ جو پھیکے ستو پیکر اور خشک چنے چبا کر تیرھویں صدی گذار رہے تھے اور گھڑیاں گن گن کر چودھویں صدی کے انتظار میں تھے کہ چودھویں صدی کا پہلا ہلال افق آسمان پر طلوع ہو اور امام مہدی محمد ابن عبداللہ کے جلالی لشکر کے قرنا کی سہانی آواز کان میں آئے اور یہ نعرہ تکبیر لگاتے ہوئے دوڑ کر اسی لشکر عظیم اور فوج ظفر موج میں شریک ہوں اور پھر وہ کچھ ہو کہ مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علےٰ قلب بشر یعنی ہر گھر میں چاندی اور سونے کے ڈھیر ہوں۔ اور دودھ و شہد کی نہریں بہتی ہوں فقر جاتا رہے۔ ساری دنیا میں اسلام ہی اسلام ہو نہ چور کا ڈر نہ درندوں کا خوف۔ کوئی کسی کو صدقہ دینا چاہے تو وہ نہ لے۔ اور برا منا دے اور کہے کہ میرا گھر تو چاندی کی کان اور سونے کا معدن ہے لیجا کسی اور کو دے۔ لوگ روپیہ لئے پھریں۔ اور کوئی قبول نہ کرے۔ صدیوں کی نحوست دور ہو۔ مدتوں کی نکبت جاتی رہے۔ یورپ کے بادشاہوں کی لڑکیاں لونڈیاں بنکر ان کی خدمت کریں۔ اور امریکہ کے پریذیڈنٹ کا خاندان غلام بنکر ان کا کام کاج کرے۔

غرض ہر روز روز عید۔ اور ہر شب شب برات کا نقشہ ہو۔

بھلا جس قوم کی یہ آرزوئیں ہوں اور جن لوگوں کے دلوں میں یہ امنگیں ہوں۔ وہ مرزا صاحب کی اس بات کو مان سکتے تھے؟ کہ مہدی میں ہوں۔ اور لاؤ مجھے چندہ دو۔ میں کتابیں چھپواؤں۔ اور یورپ و امریکہ میں تبلیغ کروں۔ اور آؤ نرمی اور مسکینی اور فروتنی سے دنیا کو سمجھائیں اور دیکھو اس دنیا میں ہم مسافر کی طرح ہیں۔ غربت اور فقر سے گذارہ کرنا ہوگا۔ اور دیکھو ہمارے سردار تو الفقر فخری کہتے ہوئے اور ساری عمر چوکی بے چھنی روٹی کھاتے ہوئے اس دنیا سے سدھار گئے۔ ہمیں سونے کے ڈھیروں سے کیا کام اور دودھ و شہد کی نہروں سے اس دارالابتلاء میں کیا واسطہ۔

دیکھو مرزا صاحب کا یہ کہنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ یہ ایک بجلی تھی جو مسلمانوں پر پڑی اور ایک زلزلہ تھا۔ جو خونی مہدی کے محبوں کے دلوں پر آیا۔ ملانوں کے گھروں میں ماتم پڑ گیا۔ اور وہ جو مہدی کے خزانوں کی امید میں قرض لے کر گھی کھاتے تھے۔ ان کے ہاں موت پڑ گئی۔ اور سب نے انکار کر دیا۔ مگر نتیجہ کیا ہوا؟ کیا یہی نہیں کہ لاکھوں نے دلی اعتقاد اور قلبی یقین کے ساتھ پرانے عقیدہ کو چھوڑ دیا۔ اور بے شک ان کے دل پر یہ یقین شاق گذرا اور لاریب انہوں نے حسرت سے کہا

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اور یقیناً ان کو لاکھوں کروڑوں روپیوں اور ہمیشہ کی فارغ البالی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ مگر مسیح آخر مسیح ہے۔ انہوں نے اسے قبول کیا۔ اور یہ قبول کرنا معجزہ ہے۔ اور یہ تبدیلی ایک کرامت ہے۔ اور یہ تغیر خدا کی نصرت کا ایک ثبوت ہے۔

دیکھو مرزا صاحب اور مسٹر گاندھی دو متضاد راستوں پر چلے۔ اور دونو کامیاب ہوئے۔ مگر ایک کی کامیابی اس کی صداقت کی دلیل ہے اور دوسرے کی کامیابی اس کے باطل پر ہونے کا ثبوت۔ مسٹر گاندھی نے کہا کہ آؤ میں تم کو ہندوستان جیسے طویل و عریض اور زرخیز ملک کی سلطنت دلاؤں۔ لوگوں نے سنتے ہی لبیک کہی۔ اور مسٹر گاندھی کے جھنڈے کے نیچے کافی سے زیادہ مجمع ہو گیا۔

مگر کیا یہ گاندھی جی کا معجزہ ہے؟ نہیں۔ کیونکہ کون ہے جو ہوم رول کا خواہشمند نہ ہو؟ اور کونسا دل ہے جسمیں سلطنت کی طمع نہ ہو؟

پس لوگوں کا مسٹر گاندھی کی پیروی کرنا کوئی بینظیر بات نہیں۔

لیکن مرزا صاحب نے اس کے بالکل برخلاف رویہ اختیار کیا۔ آپ نے مہدی کے منتظرین اور ہوم رول کے امیدواروں سے کہا کہ آؤ ہم اس دنیا کی امیدوں کو چھوڑ دیں۔ یہاں کی شان و شوکت سے نہ ڈریں۔ یہاں کے سونے اور چاندی پر خاک ڈالیں۔ آؤ فقیر بنو نہ ہمکو کوئی خونی مہدی ہے۔ نہ اس کی تلوار نہ اس کے سونے چاندی کے پہاڑ تم نے دنیا کو اخلاق سے فتح کرنا۔ اور خشک چنے چبا کر پلاؤ کھانے والوں کو سمجھانا ہے۔

پھر اس بات کو آہستہ مگر بالآخر لاکھوں آدمیوں کا قبول کر لینا یقیناً معجزہ ہے۔ اور لاریب خدا کے دست قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب نے وہ بات منوائی۔ جس کو نفس نہ چاہتا تھا۔ اور وہ امر قبول کروایا۔ جس کو طبیعت نہ چاہتی تھی۔

اسی طرح مرزا صاحب نے کہا کہ میں نبی ہوں۔ خدا نے مجھے رسالت بغیر کتاب کے اور نبوت بغیر شریعت کے دی ہے۔ مجھے قبول کرو۔ کیونکہ بغیر مجھے ماننے کے نجات نہیں۔

انصاف سے سوچو کہ کیا یہ اعلان مسلمانوں کے عام عقیدہ کے مطابق تھا۔ کیا فیج المعوج کے لوگ اس بات کو ماننے کے لئے تیار تھے۔ کیا لا نبی بعدی کے غلط معنے اور خاتم النبیین کا غیر صحیح مفہوم مرزا صاحب کے اس دعویٰ کو چیلنج دیتا تھا؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ لیکن کیا مرزا صاحب کامیاب نہ ہوئے؟ ہوئے اور خوب ہوئے اور دنیا جانتی ہے کہ آج لاکھوں آدمی مرزا صاحب کو خدا کا نبی بلکہ سارے نبیوں کے حلہ میں آنے والا مانتے ہیں۔ پھر لطف یہ کہ ان ماننے والوں میں ہزاروں علماء اور عربی خواں ہیں۔ جو لا نبی بعدی اور آیت خاتم النبیین کے باوجود آپ کو نبی مان رہے ہیں۔ اور ہزاروں انگریزی خواں ہیں کہ باوجود اس کے کہ یورپ کا فلسفہ وحی اور نبوت اور رسالت کا سرے سے ہی قائل نہیں۔ وہ اس بیسویں صدی میں ایک شخص کو ملہم محدث مکلم من اللہ اور نبی غرض سب کچھ مانتے ہیں۔ اور سچے دل سے اس امر کے قائل ہیں کہ اس زمانہ میں بھی خدا اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے۔ جبکہ ڈپٹی نذیر احمد خاں نے انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ مرزا کو کسی نے نبی ماننا ہے۔ یہ تو وہ زمانہ ہے کہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لادیں تو دنیا آپ کو نبی ماننے کے لئے تیار نہیں۔

زمانہ کی حالت پر غور کرتے ہوئے تو ڈپٹی نذیر احمد نے بالکل سچ کہا تھا۔

واقعہ میں کون اس زمانہ میں وحی کا قائل اور الہام کا مومن ہے۔ اسی لئے تو ہم مرزا صاحب کو منجانب اللہ سمجھتے ہیں۔ کہ آپ نے وہ بات دنیا سے منوائی۔ جو بقول ڈپٹی نذیر احمد خاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) بھی نہ منوا سکتے تھے۔ سچ ہے انک لا تھدی من احببت ولاکن اللہ یھدی من یشاء اسی طرح مرزا صاحب نے کہا ہے

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

دیکھو تم پنجاب و ہندوستان میں رہتے ہو۔ لیکن ذرا شمالی مغربی صوبہ کی سرحد پر پھر باغستان اور اس سے آگے افغانستان کی طرف نظر کرو۔ وہاں بچہ بچہ جہاد کا متمنی اور غزا کا شائق ہے۔ بندوق کندھے پر رکھی اور سرحد پر آئے۔ کوئی انگریز ملا اسے قتل کر دیا۔ کوئی ہندو ملا اسے اٹھا کر لے گئے۔ اور اس کے ورثاء سے خوب پیسہ کھرے کئے۔ نہ کوئی قافلہ ان کے جہاد سے مامون نہ کوئی اکا دکا مسافر ان کے غزا سے مصئون

کیا وہ لوگ جن کا پیشہ ہی قزاقی ہو۔ اور جو اپنے تمام کشت و خون کو جہاد اور غزا کا رنگ دیتے ہوں۔ مرزا صاحب کے اس اعلان سے متفق ہو سکتے ہیں؟ کیا وہ اپنا خونخوار چھوڑ سکتے ہیں؟ کیا وہ اس اعلان پر عمل کرکے بھوکا مرنے کے لئے تیار ہو سکتے ہیں؟ کیا وہ دنیا کی دنیا اور دین کا دین ایک پنجابی کے کہنے سے ترک کر سکتے ہیں؟ کیا شیر کے منہ سے لگا ہوا خون کوئی دھو سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔

مگر ذرا مرزا صاحب کی کامیابی دیکھو۔ افغانستان کے ہزاروں وحشیوں کو آدمی بنایا اور ان سے عہد لیا اور انہوں نے اقرار کیا کہ ہم کبھی انگریزوں کو جہاد کے بہانہ سے قتل نہ کریں گے۔ نہ کسی مسافر کو لوٹیں گے۔ نہ کسی ہندو کو قید کرکے پیسہ کھرے کریں گے۔ نہ غیر مسلم مسافروں کی عورتوں کو لونڈیاں اور ان کے بچوں کو غلام بنا دیں گے۔ اور جس سلطنت کے ماتحت رہیں گے اطاعت اور وفاداری سے رہیں گے۔ اور بغاوت کے سب طریقوں سے کلی مجتنب رہیں گے۔ اور پھر صرف اقرار ہی نہیں۔ بلکہ آج تک ہزاروں احمدی افغانستان میں ہیں جو جب سے احمدی ہوئے ہیں آج تک اس عہد پر قائم ہیں۔ وہ درندوں میں رہکر بکری ہیں اور حیوانوں میں زندگی بسر کرکے انسان اور باخلاق بلکہ باخدا انسان ہیں۔

کیا دنیا بھول سکتی ہے اس واقعہ کو؟ کہ شہزادہ عبداللطیف جن کے افغانستان میں لاکھوں ماننے والے تھے۔ اور جن کی ظاہری وجاہت کا یہ عالم تھا کہ وہ امیر حبیب اللہ کی تاجپوشی کے موقعہ پر دستار حکومت اس کے سر پر رکھنے والے تھے۔ وہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کرکے واپس اپنے وطن گئے اور افغانستان کے وحشیوں میں اس امر کی اشاعت شروع کی کہ انگریز تم پر حملہ نہیں کرتے۔ نہ وہ کسی کو اسلام سے روکتے ہیں۔ ان کی سلطنت میں نماز روزہ حج زکوٰۃ ان سب امور کی آزادی ہے۔ ان سے بلاوجہ جنگ کرنا اور اس کا نام جہاد رکھنا حرام اور قبیح ہے۔ تو معاً امیر حبیب اللہ خاں نے ان کو خوست سے کابل بلوایا اور اس عقیدہ سے روکنا چاہا مگر وہ خدا کا بندہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انفاس قدسی سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹا۔ اور چاراہ کی مختلف دھمکیوں اور طرح طرح کے لالچوں سے متاثر نہ ہوا۔ اور خدا کی راہ میں بڑی بیرحمی سے مارا گیا۔ بیوی بچے قید کئے گئے مگر وہ جوانمرد مرتے دم تک یہی کہتا رہا کہ انگریزوں سے جہاد کرنا حرام ہے۔

پس افغانستان کے ہزاروں لوگوں کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ بات ماننا اس ناجائز گذارہ کو بند کر دینا اور اپنی جہاد کی کمائی کو حرام سمجھنا۔ اور ایک بے شر زندگی بسر کرنا ایک معجزہ ہے۔ بلکہ بڑا بھاری معجزہ ہے۔ اور ایک آیتہ بلکہ آیتہ کبریٰ ہے۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ لوگ انگریزی تجارت کی عظمت سے متاثر ہو کر یورپ وامریکہ کی ساری ترقی کا مدار سود کو سمجھکر سود کو جائز قرار دینے لگے ہیں۔ علماء ہیں کہ طرح طرح کے حیلوں سے کبھی ربوا کی نئی نئی تعریفیں کرکے کبھی ہندوستان کو دار الحرب قرار دیکر کبھی یہ کہہکر کہ ربوا کے معنے تو حضرت عمرؓ بھی نہیں سمجھے۔ سود کے جواز کا فتوے دے رہے ہیں۔ اور امراء ہیں کہ لینے کا موقعہ نہیں تو دیتے ضرور ہیں۔ اور عوام ہیں کہ ان کا کاروبار ہی سارا کا سارا سود پر ہے۔

ان تمام حالات کا مشاہدہ کرکے آپ دنیوی رہنماؤں کی طرح اس سے متاثر نہیں ہوئے۔ بلکہ خدا کے سچے مامورین کی طرح صاف اعلان کر دیا۔ کہ لوگو جس طرف تم جا رہے ہو وہ ہلاکت کا گڑھا اور جو امر تمہارے نفسوں کو مرغوب ہے وہ ایک امر مہلک ہے۔

دیکھو عسیٰ ان تحبّوا شیئاً وھو کرہ لکم لوگو یورپ کے رواج کی تقلید نہ کرو۔ اور امریکہ کی رسوم کی پیروی نہ کرو۔ کہ وہ تو ہلاک ہونے والے ہیں۔ اور وہ تو یاجوج ماجوج ہیں۔ کہ عنقریب نمک کی طرح پگھل جانے والے ہیں۔

مرزا صاحب کے اس روکنے کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ لاکھوں آدمی خدا کے فضل سے اس بلا سے مجتنب ہوئے۔ کہ نہ سود لیتے ہیں نہ دیتے ہیں۔ اور اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ جہاں جنگ اعظم میں سود کے شوق میں کروڑوں روپیہ ہندوستان کے صوبوں نے گورنمنٹ کو دیا اور وقت پر راس المال معہ سود وصول کیا۔ وہاں جماعت احمدیہ نے اپنی حیثیت کے مطابق دل کھول کر اس قرضہ میں حصہ لیا۔ مگر واپسی کے لئے ان کے موجودہ امام نے گورنمنٹ سے وضاحت سے فیصلہ کر لیا۔ کہ ہم ایک پائی بھی اس روپیہ کا سود نہ لیں گے۔ اور تبھی ہم اس قرضہ میں شریک ہو سکتے ہیں۔ کہ اس روپیہ پر سود نہ دیا جاوے۔ نہ ہمیں نہ مشنریوں کو۔ ہمارے امام کی اس مطالبہ کو گورنمنٹ نے مان لیا۔ اور ہم نے قرضہ میں حصہ لیا۔ اور خوب لیا۔

میں پوچھتا ہوں کہ کیوں ہم لوگوں نے سود نہ لیا؟ یہ روح ہم میں کیوں ہے؟ کیوں ہم یورپ اور امریکہ کی تقلید اور مسلمانوں کی طرح سود کے پھاجال میں نہیں پھنسے؟ آخر یہ فرق کیوں؟ اور اس امتیاز کی کیا وجہ؟ یہی اور صرف یہی کہ مرزا صاحب نے ہم سے وہ بات منوائی جو دنیا کا فریفتہ دل نہ مانتا تھا۔ اور ہم سے وہ کروایا جو دنیا کا شیفتہ قلب کرنے کو تیار نہ تھا۔ اسی طرح مرزا صاحب نے دیکھا کہ ہندوستان کے مسلمان دل سے گورنمنٹ انگلیشیہ کے مطیع ہیں۔ بلکہ صرف سامان کی کمی اور موقعہ کا نہ ہونا اور سلطنت برطانیہ کی فوج اور اس کے ہتھیار ان کو اطاعت پر مجبور کئے ہوئے ہیں۔ ورنہ جہادی روح اور مولویوں کا اندر اندر کہنا کہ یہ دار الحرب ہے۔ وقاتلوا المشرکین کافۃ کے غلط معنے یہ سب امور ان کو سچی اطاعت سے محروم کئے ہوئے ہیں۔ اور وہ صرف ایک ایسے موقعہ کے منتظر ہیں۔ جیسا کہ ۱۸۵۷ء میں پیش آیا تھا۔ اس امر کو مشاہدہ کرکے آپ نے اعلان کیا کہ مومن کا ہر کام ریا سے مبرا اور اخلاص سے پُر ہوتا ہے۔ ہم کو انگریزوں کی اطاعت کسی ڈر یا لالچ سے نہیں بلکہ صرف اس لئے کرنی چاہیئے۔ کہ خدا نے ان کو حکومت کے لئے منتخب کیا ہے۔ اور خدا ہمیشہ حکومت کے اہل ہی کو منتخب کیا کرتا ہے۔ اور یہ اولوالامر ہیں اور اولوالامر کی اطاعت نص قرآنی سے فرض ہے۔

دیکھو انہوں نے مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔

یہانتک کہ ہم ان کے مصنوعی خدا کی بھی تردید کر سکتے ہیں۔ اس لئے ایسی حکومت کو غنیمت سمجھو۔ اور دل سے ان کے خیرخواہ رہو یہ امر ان مولویوں کے خلاف تھا۔ جو اندر ہی اندر کبھی امیر کابل کے آنے کے منتظر تھے اور کبھی ان کی نگاہ ٹرکی کے خلیفۃ المسلمین کے جہازوں پر تھی۔ اور کبھی وہ یاغستان کے وحشی لٹیروں کے بل کے منتظر تھے۔ اور کچھ بے وقوف ایسے بھی تھے جو سید احمد صاحب بریلوی کی واپسی کی موہوم طمع رکھنے والے چمڑے کی توپوں سے دنیا کو فتح کرنے کی امید رکھنے والے سادہ لوح بنگالیوں کی آمد کے لئے چشم براہ تھے۔ لیکن باوجود ان مخالفتوں کے حق غالب رہا۔ اور ہزاروں لاکھوں کو خدا نے ہدایت دی اور وہ سمجھ گئے کہ ہمارے پرانے خیالات اسلام کے مخالف بلکہ دنیا میں اسلام کو بدنام کرنے والے ہیں۔ انہوں نے توبہ کی اور سچے دل سے کی جس کا ثبوت رولٹ ایکٹ کی شورش کا زمانہ ہے۔ جبکہ ہندوستان کے طول و عرض میں ایک طوفان اٹھا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو گورنمنٹ سے پھری ہوئی نہ ہو۔ اور کوئی دل نہ تھا جو حکومت سے برگشتہ نہ ہو۔ کوئی باغی تھا تو کوئی بغاوت کا محرک۔ کوئی فتنہ انگیز تھا تو کوئی اس کا مؤید۔ گورنمنٹ بڑے اضطراب میں تھی اور حکومت ایک خطرناک بھنور میں تھی۔ مگر دنیا جانتی ہے۔ اور ارباب حکومت کو اقرار ہے کہ اس وقت احمدی جماعت اور ہاں صرف احمدی جماعت ہندوستان کے مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک جہاں جہاں تھی نہایت فرمانبردار رہی۔ اگر ایک شہر میں ساری دکانیں ہڑتال میں بند تھیں اور وہاں صرف ایک احمدی کی دکان تھی تو وہ کھلی رہی۔ اور دکاندار نے نکو بننا پسند کیا۔ اینٹیں اور روڑے کھائے۔ قتل کی دھمکیاں برداشت کیں مگر یہ گوارا نہ کیا کہ وفاداری کے دامن پر دھبہ آئے۔ اور پھر کسی صلہ کی تمنا میں نہیں نہ کسی خطاب کی خواہش میں۔ بلکہ صرف اسی لئے۔ کہ ان کو امن کے شہزادہ نے یہی تعلیم دی تھی۔

شورش کے زمانہ میں لوگوں نے احمدیوں کو خوشامدی کہا۔ تبرے بازی کی گالیاں دیں۔ ان کے امام کو جو ان کو دل سے زیادہ عزیز اور جان سے بڑھکر پیارا ہے۔ بُرا بھلا کہکر ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ ان کو کوؤں سے پانی نکالنے سے روکا۔ مارا پیٹا اور جو جی میں آیا کہا۔ مگر وہ بغاوت کی رَو سے متاثر نہ ہوئے۔ اور قلیل ہو کر کثیر سے مرعوب نہ ہوئے۔ اور جبکہ ساری دنیا ہوم رول کی شراب شوق پی کر مدہوش تھی۔ انہوں نے اس کا ایک قطرہ زبان پر رکھنا حرام سمجھا۔

کیا یہ مرزا صاحب کی کامیابی کی دلیل نہیں؟

کیا یہ خدا کی نصرت کا ثبوت نہیں؟ آخر سوچو تو سہی کہ ہم ان باتوں سے کیوں مجتنب ہیں؟ کیا ہمارے دل مردہ ہیں؟ کیا ہوم رول کا خوش کن خیال ہمارے جذبات کو نہیں بھڑکاتا۔ کیوں یہ آرزو ہمارے دلوں کو نہیں گدگداتی؟ کیوں ہم سلطنت کے حصول سے بے پرواہ ہیں؟ کیوں ہمارا تعلق خلافت کمیٹی یا کانگرس سے نہیں؟ کیوں ہم اس شہد کے چھتہ کے پیچھے کھڑے ہو کر شہد کے میٹھے قطرے منہ میں نہیں ٹپکاتے؟ آخر کوئی اس کی وجہ ہونی چاہئیے۔ کیونکہ کوئی فعل بے سبب نہیں اور کوئی کام بے علت نہیں ہوا کرتا۔ آؤ میں تم کو بتاؤں۔ سنو! اس کا سبب صرف مرزا صاحبؑ کی تعلیم ہے۔ انہوں نے ہمارے نفس کی خواہشات کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکدیا۔ اور ہمارے دلوں میں یہ بات بٹھا دی کہ رب العالمین جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس کی خوشی اسی میں ہے۔ کہ تم بادشاہ وقت کی اطاعت کرو۔ خواہ وہ مسلمان ہو خواہ وہ کافر ہو۔

غرض مرزا صاحبؑ نے دنیا میں مبعوث ہو کر دنیا کے سامنے وہ امور نہیں پیش کئے جن کو لوگ پہلے سے اچھا سمجھتے تھے۔ یا جن امور سے انسانی نفس بالطبع لذت پاتا ہے۔ بلکہ انہوں نے تمام ان امور سے رد کا جو نفس کو مرغوب مگر خدا کو ناپسند تھے۔ اور ہر ایسی بات سے منع کیا جو طبیعت کو پسند مگر خدا کو ناپسند تھی۔

لوگوں نے پہلے پہلے انکار کیا۔ اور وحشی جانوروں کی طرح بھاگے۔ مخالفتیں کیں۔ جھوٹے مقدمات دائر کئے۔ قتل کی کوششیں کیں۔ مگر حق غالب آیا۔ اور ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰه۔ آپؑ فوت نہیں ہوئے۔ جب تک دنیا کے چاروں کونوں سے ہزاروں لاکھوں ایسے آدمی اکٹھے نہ کر لئے جنہوں نے آپؑ کی بات مان لی۔ اور اپنے نفس کی آرزوؤں کو چھوڑ دیا۔ اور آپؑ کے کہنے سے وہ بات مان لی جس کو نفس نہیں مانتا تھا اور یہی آپؑ کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ قرآن مجید صاف فرماتا ہے۔

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ

یعنی خدا کے نبیوں کا یہی دستور ہے کہ وہ لوگوں سے وہ بات منوایا کرتے ہیں جو ہوتی تو ان کے لئے مفید۔ مگر جس کو انسانی نفس ماننا نہیں چاہتا۔ مگر بالآخر خدا کا ہاتھ منوا لیتا ہے۔ یہی سارے نبیوں کا مشن تھا۔ اور یہی مرزا صاحب کا پروگرام تھا۔

چنانچہ آپ جب دنیا میں مبعوث ہوئے تو پہلے دن بھیجنے والے نے فرما دیا تھا

"دنیا میں ایک نبی آیا مگر دنیا نے اسے قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کرے گا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کرے گا"

لیکن مسٹر گاندھی نے کوئی ایسی بات دنیا کے سامنے پیش نہیں کی جو انسانی نفس پر شاق ہو۔ اور جو لذت اور آرام کے خلاف ہو۔ بلکہ انہوں نے جو بات پیش کی وہ نفوس کی خواہش کے مطابق تھی۔ اور جو امر لوگوں سے منوایا وہ انسانی طبیعت کو پسند تھا۔

پس مرزا صاحبؑ کی مثال تو اس شخص کی ہے جو کہے کہ میرا بیٹا میرا بڑا فرمانبردار ہے۔ کیونکہ جب میں اسے کہیں کام بھیجتا ہوں وہ جاتا ہے۔ اور جب اس سے محنت و مشقت کے کام لیتا ہوں وہ بڑے شوق سے کرتا ہے۔ اسے سوتے سے جگاؤں تو برا نہیں مانتا۔ اس کے آرام میں خلل ڈالوں تو بڑی خوشی سے برداشت کرتا ہے۔ اسے کہوں کہ وطن سے بے وطن ہو تو وہ دل و جان سے تعمیل کرتا ہے۔

لیکن مسٹر گاندھی کی مثال ایک اور شخص کی ہے جو آگے سے کہے کہ میرا لڑکا بھی بڑا فرمانبردار ہے۔ میں جب اس کو مٹھائی دیتا ہوں وہ لے لیتا ہے۔ کوئی تحفہ اس کے لئے لاؤں۔ وہ قبول کر لیتا ہے۔ وہ دھوپ میں بیٹھا ہو اور میں اسے کہوں کہ سایہ میں آجا وہ فوراً تعمیل کرتا ہے۔ میں نے جب اسے روپیہ دیا اس نے فوراً لے لیا۔ اور ذرا انکار نہیں کیا۔ میں نے جب کبھی عمدہ عمدہ سوٹ سلوا کر دیا اس نے فوراً پہن لیا۔ اور ذرا پس و پیش سے کام نہیں لیا۔

یہ ہے وہ مثال جس سے مرزا صاحبؑ اور مسٹر گاندھی کی کامیابی میں موازنہ ہو سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ سچوں اور خدا کے نبیوں کو لوگوں کا مان لینا اس لئے خدا کی طرف سے ہونے کی دلیل ہے۔ کہ وہ دنیا سے وہ باتیں منواتے ہیں جو نفس اور خواہش کے خلاف ہوتی ہے۔ اور دنیوی ریفارمر زمانہ کے اقتضاء کے مطابق دنیا کے سامنے وہ امور پیش کرتے ہیں۔ جنہیں دنیا کا نفس پہلے سے پسند کرتا ہے۔ اور دنیا کو وہ امور دل سے مرغوب ہوتے ہیں۔

پس ایسے امور کو لوگوں کا قبول کر لینا ان ریفارمروں کے منجانب اللہ ہونے یا مؤید من اللہ ہونے کا ثبوت نہیں۔ اور یہی ایک بیّن امتیاز ہے۔ جس پر انسان جتنا غور کرے وہ کبھی حق و باطل کے پہچاننے میں ٹھوکر نہیں کھا سکتا ۔ والسلام

علیٰ من اتبع الہدیٰ

سید میر اسحٰق

نظم

وہ دیکھتا ہے غیروں سے کیوں دل لگاتے ہو
جو کچھ بتوں میں پاتے ہو اس میں وہ کیا نہیں
سورج پہ غور کرکے نہ پائی وہ روشنی
جب چاند کو بھی دیکھا تو اس یار سا نہیں
واحد ہے لاشریک ہے اور لازوال ہے
سب موت کا شکار ہیں اس کو فنا نہیں
سب خیر ہے اسی میں کہ اس سے لگاؤ دل
ڈھونڈو اسی کو یارو بتوں میں وفا نہیں
اس جائے پر عذاب سے کیوں دل لگاتے ہو
دوزخ ہے یہ مقام یہ بستاں سرا نہیں

عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں گداز ہستی

بعد از خدا بعشقِ محمد ﷺ مخمّرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

یہ اس شخص کا شعر ہے جس کی اعتقادی زندگی کی مختلف تعبیرات کی جاتی ہیں۔ جس کی ہستی چند سالوں سے معرضِ بحث میں شہرت پذیر ہے۔ جس کی شہرت ان مختلف تعبیرات کی وجہ سے دنیا کے ایک کونے سے نکل کر دوسرے کونہ تک دامن پھیلائے ہوئے ہے۔ جس بزرگ قوم کی زندگی کے **متن** پر اسقدر حواشی چسپاں ہیں کہ شاید ہی مشاہیرِ اسلام میں کسی کی زندگی کا ایسا متن ہو یہ وہ زندگی ہے جو اپنے **استقلال** اور **استقامت** کی وجہ سے باوجود انواع اقسام کی نکتہ چینیوں اور مختلف حواشی کے بھی ایک

دلاویزی اور اثر رکھتی ہے

> زعشق آشنا دشمن چہ پرسی
> مرا منصور ساں ہم کشت و ہم سوخت

دنیا میں جب کوئی زندگی اپنے رنگ میں جادہ **عتیق** سے جادۂ جدید پر گامزن ہوتی ہے۔ اور بعض مسائل روحانی اور حقیقت پہ اپنے نقطہ خیال کے تحت روشنی ڈالتی ہے۔ تو بہت سی ہستیاں مذہبی پہلو سے نکتہ چیں ہوتی اور معترضانہ پہلو لیتی ہیں۔ وہ کونسی اسلامی مقدس ہستیاں ہیں جن کی نسبت مختلف زبانوں میں شور و شغب نہیں ہوا۔ فیصدی پانچ بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے۔

> ہمیشہ بود شہر و شور محتسب در شہر
> چو دید نرگس مستت ز احتساب گذشت

اجتہادی مسائل کی گتھیاں ہمیشہ روشن اور تاریک پہلو رکھتی ہیں۔ دوسرے مشاہیرِ اسلام کے کلام میں بھی محکمات اور متشابہات ہوتے ہیں۔ کسی شہیرِ اسلام پر نکتہ چینی کرنے سے پہلے دیکھنا چاہئے کہ کوئی ایسی ہستی مرکزِ **منزل** سے کہاں تک دور ہے۔ تمسخر اور ٹھٹھوں میں تو ہر کسی کو اڑایا جاسکتا ہے۔ اور ہر شخص کی زندگی کی تعبیر ہر شخص اپنے رنگ میں کر سکتا ہے۔ لیکن مقدم یہ ہے کہ ایسی زندگی اصولی رنگ میں جو کچھ اپنے رنگ میں پیش کرتی ہے اس پر بھی نظر ڈالی جاوے۔

> مجذوب الٰہی ایست حقارت نکند ہیش
> یاران ادب ایں دلِ دیوانہ ضرور است

شعر مندرجہ عنوان اس ہستی یا اس بزرگ کا شعر جو اس وقت دنیا کے چاروں کونوں میں محبت اور نفرت کے دونوں پہلوؤں سے زیرِ بحث ہے۔ مگر یہ محبوب یا مقرب ہستی دلی صداقت اور دلی جوش سے کیا کہتی ہے۔

بعد از خدا بعشقِ محمد مخمّرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

ان مختلف مخالف و موافق حواشی کو الگ رکھ کر جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ اس بزرگ ہستی کا رویہ اور **عشق** اور **محبت** ذاتِ **محمدی** صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہاں تک اور کس حد میں ہے؟ تو ہماری ایمانداری یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کہ

اس وادیِ محبتِ محمدی ﷺ میں یہ ہستی اپنی نظیر آپ ہی تھی

> از ازل تا ابد فسانۂ اوست
> قصۂ عشق مختصر معلوم

جن لوگوں کو اس بزرگ ہستی کی صحبت کا موقعہ ملتا رہا ہے وہ ایمانداری سے کہہ سکتے ہیں کہ اس **عظیم الشان** ہستی کے دل و دماغ میں عشقِ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کیا کچھ کیفیت اور کمیت تھی قطع نظر ان معترضانہ یا اجتہادی حواشی اور تنقید کے جو اس وقت اس مقدس زندگی کی بابت زیرِ بحث رہتے ہیں عشق و محبت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کہاں تک ہے۔

ہم نے اپنی زندگی میں شروع سے دیکھا ہے۔ اس میں اللہ تعالےٰ کی محبت کے بعد

سوائے عشق و محبت اس قدسی ذات ﷺ کے اور کچھ بھی نہ تھا

ہر رنگ میں اسی کا اظہار اور اسی کا ورد تھا

محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام کے ساتھ جو عشق و محبت اس ہستی کو تھا۔ بس تو وہ رنگ اور وہ شیدائیت اپنوں اور بیگانوں مریدوں اور معترضوں میں بہت ہی کم دیکھتا ہوں۔ وہ شان ہی کچھ اور تھی وہ رنگ ہی دوسرا تھا

> از اشک مپرسید کہ در دل چہ خروش است
> ایں قطرہ ز دریا چہ خبر داشتہ باشد

شعر مندرجہ عنوان بھی ایسے ذوق اور مستی عشقِ رسول کو ظاہر کر رہا ہے۔ جو ضمانت ہے اس بات کی کہ ایک بزرگ ہستی کے دل و دماغ میں کیا کچھ محبت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں متموج تھی۔

مجھے بلا کسی جنبہ داری کے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ باوجود اس کے کہ اکثر لوگ اس ہستی کو دائرہ اسلام سے خارج کرتے ہیں اور اسپر زور دیتے ہیں لیکن سچ یہی ہے کہ اس کفر کی تعبیر اور حقیقت وہی ہے جو مندرجہ عنوان شعر میں خود اس ہستی نے اپنے **قلب و دماغ** کی کیفیت کو بیان کر دیا ہے۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں فنا ہو جانا اور اپنی ہستی کی **خواہشات** اور دنیا اور اس کے مالوفات اور **لذات** کو اس ایک **ذوق** میں گم کر دینا **کفر** ہے۔

تو دعا کرو کہ ساری دنیا ایسی کافر ہو جائے

یہ امر واقعہ ہے اور یہ **حقیقت صادقہ** ہے کہ اس ہستی کے دل و دماغ کے محرکات اور خیالات میں سے عشق و محبت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال اور جذبہ ایک خصوصیت اور امتیاز رکھتا ہے۔ اس کی ساری زندگی کا لب لباب یہ تھا کہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عشق میں ہر دم مگن رہے۔ اور اس کے واسطے شروع سے لے کر آخر تک ہر رنگ میں اس **مقدس ذات** کے لئے غیرت مند ثابت ہو۔ اس **عشق و محبت** کے نشہ میں ایسے سرشار تھے کہ دنیا کی ہر پیاری سے پیاری چیز اس کے لئے قربان کر دینا ان کو بہت ہی آسان تھا۔

میری آنکھوں نے ان نظاروں کو دیکھا ہے کہ اس مقدس ہستی کے سامنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام اگر کسی نے **سوء ادبی** سے لے دیا تو باوجود ہر قسم کے تعلقات و رشتہ داری کے آپ نے ان سے تعلق قطع کر لینا آسان تر سمجھا۔

وہ لوگ جو اس بزرگ کو دائرہ اسلام سے خارج کرتے ہیں۔ وہ اس شعر کو پڑھیں۔ پھر پڑھیں۔ اور پھر پڑھیں۔ اور پھر سوچیں کہ وہ کیا اعلان کرتا ہے۔

عشقِ محمد میں اس کی مستی اور خود فراموشی کی کیفیت اور ملتِ محمدیہ کی **غمخواری** کا اندازہ کرو کہ **کفر** کے فتوے سنتا ہے اور اس مستی میں کیا کہتا ہے؟

> کافر و ملحد و دجال ہمیں کہتے ہیں
> نام کیا کیا غمِ ملت میں رکھایا ہم نے
> تیرے منہ کی ہی قسم اے مرے پیارے احمد
> تیری خاطر سے یہ سب بار اٹھایا ہم نے

اپنی عمر کے ابتدائی حصوں میں اس بزرگ ہستی کو پہروں نہیں بلکہ دنوں۔ ہفتوں۔ مہینوں اور سالوں تک محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فکر و غور کرنے اور روتے دیکھا۔ جب کبھی کسی کی زبان سے اس مقدس رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی دل دکھانے والا کلمہ سن پاتے تھے تو ان کے چہرہ پر جوش محبت سے وہ سماں طاری ہو جاتا تھا۔ کہ جس سے دیکھنے والوں کو پتہ لگ سکتا تھا کہ اپنے محبوب رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے ان کے دل میں کہاں تک غیرت ہے۔ بارہا اس ممتاز ہستی کے منہ اور زبان سے جوش محبت میں نکلا اور وہ اسے دبا نہ سکے۔

گاہے بہ شہر و گاہے بصحرا گریستم
ہر جا کہ گفت ایں دل شیدا گریستم
یارب چہ چشمہ است محبت کہ من ازاں
یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم
ایام عمر را گزراندم بہ اشک و آہ
امروز نالہ کردم و فردا گریستم
طوفان نوح تازہ شد از آب دیدہ ام
با آنکہ در غمت بہ مدارا گریستم
پیش تو گریہ کردم و بے آبرو شدم
گریم بہ حال خود کہ چہ بیجا گریستم
با من کسے شریک غم از بیکسی نشد
در گوشہ نشستم و تنہا گریستم
گاہے ز شغل عشق فراغم نبودہ است
یا نالہ کردم از غم او یا گریستم

غرض جس ہستی کے دل و دماغ میں محبت رسول کا یہ جوش یہ خروش ہو وہ کس طرح اسلام سے خارج ہو سکتی ہے؟ اور کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس کے دل و دماغ میں اسلام کی کوئی منزلت نہ تھی؟ یوں ہر شخص اپنے مذاق کے تحت جو چاہے کہہ سکتا ہے۔

خیر ہم تو نہ ملاں اور نہ مولوی اور نہ مذہبی مباحثوں کے شوقین۔ ہم تو اپنے رنگ میں دیکھیں گے کہ

دنیا کی اس محبوب اور مقرب ہستی

کے دل و دماغ میں ہمارے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور غیرت کہاں تک تھی۔ اور ہے۔ ہم تو اسی کو معیار اسلام اور محک ایمان جانتے ہیں۔ جس دل میں یہ نہیں۔ جو دماغ اس سے خالی ہے۔ وہ کچھ بھی ہو۔ ہمارے نقطہ ایمان کی رو سے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

تقاضائے ایمان اور حب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا تھا۔ کہ وہ لوگ جنہوں نے اس ہستی کے دعاوی کو سنا۔ اور محض اپنی تعبیر و اجتہاد کی بنا پر ایک طوفان کفر کا اس کے خلاف برپا کیا۔ اور اس سے دست و گریباں ہونا اپنی علمی شان اور تقدس کے اظہار کا ذریعہ قرار دیا۔ وہ اس نقطہ نگاہ سے دیکھتے۔ اور اگر کوئی اور وجہ نہیں تو اپنے محبوب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے عشق و محبت میں فانی انسان سمجھ کر ہی اپنی روش بدل لیتے۔

یورپ کا کوئی مصنف ہندوستان کا کوئی معمولی مضمون نگار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ تعریف کر دے تو ہماری ارادت اور محبت اس کی شان میں مدحیہ قصیدے لکھوا دیتی ہے۔ لیکن وہ ہستی جس کا خمیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت و عشق میں ہوا ہے۔ اور جو کہتا ہے۔

ہر تار و پود من بہ سرآید بعشق او
از خود تہی و در غم آں دلستاں پرم

جس کی زندگی کا ایک ایک لحظہ اور ساعت جس کا دن اور جس کی رات اسی محبت و عشق میں گزری اور جس کی غیرت محمدی کے کمالات ہر حصہ دنیا میں نظر آتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کی نظر میں

دائرہ اسلام سے خارج ہے

یہ کفر عجیب اور یہ اخراج من الاسلام حیرت انگیز ہے کہ ان کا مسلم کا فران کو اسلام میں لا رہا ہے۔

کاش یہ کفر جو شعر مندرجہ عنوان میں بتایا گیا ہے۔ ساری دنیا میں پھیل جائے۔

ہم نے جو کچھ دیکھا اور سنا ہے وہی دکھاتے اور سناتے ہیں۔ ہمارا یہ ایمان یہ ذمہ داری اپنے سر لیتا ہے۔ اور ہم اس کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتے کہ

ہم نے اپنی زندگی کے مختلف حصوں میں محبوب و مقرب مرزا کے دل و دماغ میں جو کچھ یا جس رنگ میں عشق و محبت محمد صلے اللہ علیہ وسلم دیکھی۔ وہ کسی اور میں اپنی زندگی کے حصوں میں نہیں دیکھی۔ ؎

ایں است کہ لشکر کش خوبان جہان است
واز قامت رعنا علم افروختہ ایں است

عشق و محبت رسول عربی کی یہ شان جو اس ہستی میں ہم نے دیکھی وہ در اصل تفسیر تھی

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اور یہ محبت و اتباع رسول کرشمہ تھا محبوب الہی کی ایک شان کا۔

غرض یہ ہستی اس نقطہ نگاہ سے ایک مقدس زندگی تھی۔ جو زندگی بھر اس عشق و محبت میں سرشار رہی اور اسی کے نقوش دنیا میں چھوڑنے کے لئے سرگرم پیکار رہی۔

اس کی زندگی کی یہ داستان محبت رسول عربی ایک حکایت الفت ہے۔ مگر بے پایان اور ایک حقیقت ہے بے نقاب اور اس محب و عاشق محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ ادا ایسی دلفریب ہے کہ کشش کئے بغیر نہیں رہتی۔ اسی رنگ میں ہمیں کوئی کافر کہے یا مرتد ہماری اپنی حالت تو یہ ہے کہ اس شان عشق کو دیکھکر

کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا است

ایسے کافر پر تو قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ اگر کفر ہی ہے
ہم تو نہ کسی شیدائے رسول کو کافر کہتے ہیں نہ مرتد خواہ کسی باشد

راقم

شور و غوغائے بلبل از عشق است
ورنہ ایں ہا زمشت پر معلوم

لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

(از حکیم محمد حسین صاحب قریشی مالک کارخانہ رفیق الصحت لاہور)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ آمِيْن

میں حیران تھا کہ مالک و مدیر الحکم نے الحکم کے یادگاری پرچہ کے لئے لکھنے کی مجھ جیسے ہیچمیرز کو کیوں تحریک کی۔ جبکہ سلسلہ عالیہ کے پاک وجود اور مقدس ہستیاں ضرورت کے مطابق کافی سے زیادہ مصالحہ بہم پہنچا دینگی۔ اور صاحب الحکم کو اس کا یقین حاصل ہے۔

کچھ غور کے بعد میں نے اس کو عطیہ ربی سمجھکر یہ ارادہ کر لیا کہ کلام میں برکت اور تاثیر کا بخشنا تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اس تحریک پر کچھ لکھنا ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ یہ خدائی تحریک ہو۔ اور اللہ اسکو اپنے رحم سے قبول بھی فرمالے

صحاح ستہ کی پانچ کتابوں میں اس حدیث کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

مومن نہیں ہے وہ شخص جو ایک خیر اپنی ذات کے لئے تو پسند کرتا ہے۔ لیکن اپنے دوسرے بھائی کو عملاً اس سے محروم رکھتا یا پسند کرتا ہے۔ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ

تو اب میں ایک ایسی چیز کا اس یادگاری پرچہ کے پڑھنے والوں کے روبرو تحفہ پیش کرتا ہوں کہ جو مجھے اپنی ذات کے لئے دنیا و مافیہا کی تمام نعمتوں سے زیادہ پیاری ہے۔ اور میری آرزو ہے۔ کہ میری اولاد در اولاد اور جملہ متعلقین کو ابد الآباد تک جناب الہی کے رحم و کرم سے یہ نعمت نصیب رہے۔ اور کوئی بھی اس سے محروم نہ ہو۔ الہی یہ میری عاجزانہ دلی آرزو قبول ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا

صاف سیدھی اور مسلمہ بات ہے۔ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جوڑا پیدا کیا ہے۔ اور پھر کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جس کی ضد پیدا نہ فرمائی ہو مثلاً دکھ ہے تو سکھ بھی ہے۔ عسر یسر۔ تنگی و فراخی۔ امیر و غریبی۔ تاریکی و روشنی۔ بیماری و صحت۔ علم و جہالت۔ ہدایت و ضلالت۔ حاکم و محکوم۔ عدل و ظلم۔ امن و فساد۔ خیر و شر۔ گرمی و سردی۔ خشکی و تری۔ مومن و کافر۔ سفید و سیاہ۔ بہشت و دوزخ۔ دن اور رات۔ دین و دنیا۔ نر اور مادہ مسیح و دجال۔ زندگی و موت۔

بعض وقت ناواقفی کے باعث یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ایسا کیا گیا۔ کیوں ہر چیز کی ضد بھی پیدا کی گئی

اس کا مفصل جواب بالکل ایک علیحدہ اور وسیع مضمون ہے۔ اس لئے صرف ایک بات جو میرے مضمون کے متعلق ہے۔ عرض کرکے خدا تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل سے پڑھنے والوں کے سینے کھولدے۔ اور اس کا علم بخشدے۔ یہ اس لئے کیا گیا کہ ایسا کرنا ایک لازمی امر تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو پھر کچھ بھی نہ ہوتا۔ ایک اکیلی چیز کے لئے اس ایسے عالم میں جسمیں ہم رہتے بستے ہیں۔ کوئی قیام کی جگہ ہی نہیں۔ روشنی نہ ہوتی تو تاریکی پھر تاریکی ہی نہ ہوتی۔ سکھ نہ ہوتا تو دکھ کو کوئی جانتا بھی نہ کہ وہ ہے کیا بلا۔ ایسا نہ ہوتا تو پھر اس سارے عالم زمین و آسمان چاند سورج۔ جن و انس۔ چرند و پرند کسی چیز کی بھی کوئی حقیقت نہ ہوتی۔ یہ جو کچھ بھی عجائبات و نظارہائے قدرت انسانی پیدایش۔ زندگی سے موت تک کے عجیب و غریب حالات وو لبستگیاں و دلچسپیاں ہم دیکھتے ہیں۔ دوسری صورت میں یہ کہاں اور کیوں موجود ہوتیں۔

گر نہ بودے درمقابل روئے مکروہ وسیاہ
کس چہ دانستے جمال شاہد گلفام را

اس نکتہ پر غور کرنے سے اس معرفت کو حاصل کرنے کے بعد دنیائے عالم کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ اور سعید الروح انسان کی فطرت کا ذرہ ذرہ پکار اٹھتا ہے۔ اور پکار اٹھنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے کہ وہ دل سے کہدے

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

اس لئے قرآن کریم کا سب سے پہلا جملہ ہی یہیں سے شروع ہوا۔ فرمایا کہدے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تمام تعریفوں اور تمام تعریفوں کی حقیقتوں کے ساتھ ان سب کا سزاوار معبود اور قابل پرستش اللہ ہی کی ایک ذات ہے۔

یہ جو کچھ کیا اس لئے کیا کہ الحمدللہ کا تقاضا ہی یوں ہی تھا۔ جس کا پورا ہونا ضروری تھا۔ اس لئے کہ وہ پاک و قدوس ہستی رب العالمین ہے۔

ربوبیت یعنی تمام عالموں اور ذرات عالم کی پرورش کرنے والا۔ نیچے سے اوپر اٹھانے والا۔ پستیوں سے بلندیوں پر لیجانے والا۔ ذلیل حالتوں سے معزز ترین مقام پہنچانے والا بالآخر فرش سے عرش تک کا نظارہ کرا دینے والا اللہ ان سب چیزوں کا خالق اور مالک ہے۔ جو کچھ اس نے کیا وہی عین حق و حکمت ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ہر چیز کی پرورش کرنا اور نیچے سے اوپر اٹھانا اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے۔ تو پھر ہم بدی اور تاریکی سے بچ کیونکر سکتے ہیں۔ کہ آخر وہ بھی اسی کی پیدایش ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ الرَّحْمٰنِ و الرَّحِیْمِ بھی ہے۔ اس نے اگر تاریکیوں اور ظلمتوں کو پیدا کیا ہے تو سورج چاند اور ستاروں کو بھی پیدا کیا ہے۔ کہ وہ تمام تاریکیوں کو دور کردیتے ہیں۔ اب یہ انسان کا اپنا کام ہے۔ کہ کسی چیز سے فائدہ اٹھائے یا نقصان حاصل کرے۔ محض شے کے پیدا ہو جانے اور موجود ہونے سے انسان کو مطلق کوئی ضرر یا نقصان نہیں۔ سورج کے غروب ہو جانے کے بعد اگر رات ظلمت یا تاریکی آجاتی ہے۔ تو اس پر نہ تو کوئی مواخذہ ہے۔ اور نہ نقصان۔ بلکہ الٹا موجب راحت و آرام ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اس تاریکی کے اٹھ جانے کے بعد جبکہ سورج نکل آئے اور روشنی ہو جائے۔ کام کاج بنج و بیوپار سے نفع حاصل کرنے کا موقع دیا جائے۔ اسوقت اگر انسان اپنے دروازے اور کھڑکیاں بند کرکے آنکھیں بند کرکے بیٹھ جائے یا سو رہے تو کون نہیں جانتا کہ وہ اس غفلت کے نتیجہ میں ایک دن بیمار اور برباد ہو جائے گا۔

چونکہ وہ مالک یوم الدین ہے۔ اس لئے اسکا حق ہے اور ضروری ہے کہ وہ محنت و مزدوری کرنے والے اطاعت شعار فرمانبرداروں کو اپنی مہربانی سے انعام سے مالامال کردے۔ اور جنہوں نے سورج کی روشنی کی بیقدری کرکے گویا عملاً کفران نعمت کرکے زوال نعمت کا باعث خود اپنے ہاتھوں ہوئے۔ وہ اپنے کئے کی سزا پائیں۔

اللہ تعالےٰ نے آنکھیں عطا کی ہیں کہ ان سے کام لیا جائے۔ نشیب و فراز کو دیکھکر چلا جائے۔ ہاتھ عطا کئے ہیں کہ ان سے کام کاج کرے۔ پیر عطا کئے ہیں کہ ان سے چلنے کا کام لیا جائے۔

لیکن اگر کوئی شخص آنکھیں بند کرکے بیٹھ جائے تو ایک وقت آئیگا۔ کہ وہ بینائی کو ضائع کردیگا۔ ہاتھوں سے کام لینا چھوڑدے وہ خشک ہوکر بیکار ہو جائینگے۔ پاؤں سے کام لینا چھوڑدے وہ چلنے سے رک جاویں گے۔

دوستو یہ مضمون وسیع طور پر پھیلتا جارہا ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ پورا مضمون اخبار کی گنجائش سے بہت زیادہ ہے۔ اس لئے میں پورے زور سے اس کا گلا گھونٹ کر اس کو سمیٹتا ہوں۔

جس قدر مذاہب کسی نہ کسی رنگ میں خدا تعالےٰ کو ماننے والے ہیں۔ ان سب میں اسلام ہی ایک مذہب ہے جس نے ایک اور صرف ایک **خدا وحدہٗ لاشریک** کو پیش کیا ہے۔ جو تمام نقصوں سے مبرا۔ اور بے عیب ذات ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ جس کو بھی اس کے خلاف کچھ دعوےٰ ہو وہ اپنے خدا یا خداؤں کو ہمارے خدا کے سامنے پیش کرکے تماشہ دیکھ لے۔

دنیا کی رہنمائی اور ہدایت کا وہی مذہب حقدار ہو سکتا ہے۔ جس کا بھیجنے والا پہلے خود بے عیب ہو ہر قسم کے نقص سے پاک ہو۔ حی و قیوم ہو۔ ابدالآباد تک اپنی تمام صفات کاملہ کے ساتھ جلوہ گر ہو۔

اسلام کے سوائے باقی تمام مذاہب کے لوگ اپنے عقائد صرف وجدان سے قائم رکھتے ہیں۔ اور کوئی دلیل اس پر نہیں دیسکتے۔

مثلاً عیسائی صاحبان سے اگر یہ سوال کیا جاوے کہ یسوع کی خدائی پر کوئی محکم دلیل تو بتاؤ۔ تو وہ کوئی جواب نہیں دیسکتے۔ بجز اس کے کہ یہ کہدیں کہ یہ بات انسانی دماغ اور فہم و فراست سے بالاتر ہے۔ قریب قریب یہی حال تمام مذاہب کا ہے زیادہ سے زیادہ کوئی یہ کوشش کرے گا کہ کئی ہزار سال اور بعض لاکھوں اور کروڑوں سال پیچھے اپنے خدا کے نشان دکھانے کی بیفائدہ اور ناکام جدوجہد کریں۔

آج اس روشنی علم کے زمانہ میں صرف اور صرف اسی خدا کو خدائی سزاوار ہے جو افضل الرسل خاتم الانبیاء محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جلوہ فرما ہوا۔ اور قرآن کریم جیسی بے مثل کتاب اس کے ہاتھ میں دیکر عام اعلان کا حکم دیدیا کہ میرے سوائے تمام دوسرے خداؤں کے ماننے والوں کو چیلنج دے دو۔

لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ جو خدا اپنی تمام صفات کاملہ کے ساتھ پہلے تھا۔ انہیں تمام صفات کے ساتھ اب بھی ہے۔ اور ہمیشہ ہی ہمیشہ رہیگا۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ میں ہر وقت ایسا حاضر ناظر ہوں کہ تمہارے شاہ رگ سے بھی تمہارے قریب ہوں۔

دلیل اور ثبوت اس کا کیا ہے۔ فرمایا میرا نشان اور دلیل دریافت کرنے والوں کو کہدو۔

اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ میں ہمیشہ پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں۔ اس کا جواب دیتا ہوں۔ دعاؤں اور درخواستوں کو قبول کرکے ان کے دکھوں کو دور کرتا۔ اور سکھوں کی راہیں کھول دیتا ہوں۔

یہاں ایک دفعہ پھر میں مضمون کے پہلے حصہ کی طرف ناظرین کو توجہ دلاکر عرض کرتا ہوں۔ کہ دوستو یہی حکمت ہے

انہیں کہ ہر روشنی کے بالمقابل ایک تاریکی اور ہر سکھ کے بالمقابل ایک دکھ بھی پیدا کیا گیا ہے۔ کہ لوگ دکھوں اور تاریکیوں کے وقت ان سے بچاؤ اور حفاظت کے لئے جناب الٰہی سے درخواستیں کریں۔ اور قبولیت و جواب باصواب پاکر اس لَيْسَ كَمِثْلِهٖ ذات پاک کو دیکھ سکیں۔ اور اس طرح اس پیدایش عالم کی علت غائی وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ اپنی تکمیل کو پہنچ جائے۔

اتنا نظارہ کرنے اور اس حد تک خدانمائی کے بعد ایک انسان کے لئے بجز اس کے چارہ نہیں۔ کہ وہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہتا ہوا اس کے حضور گر جائے۔ کہ اے میرے مالک ہر چیز چونکہ تیری ہی مخلوق ہے۔ اور تیرے ہی تابع فرمان ہے۔ اس لئے ہمارے بس کی بات نہیں کہ ہم اپنی قوت سے کسی سے نفع حاصل

کرسکیں - یاکسی نقصان سے بچ سکیں - تیری مدد اور استقامت کے بغیر ناممکن ہے کہ ہم منزل مقصود تک پہونچ سکیں - اس لئے الانسان ہونے کی صورت میں سب سے پہلی درخواست ہماری یہ ہے کہ:۔

اِهْدِ نَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

ایک ایسا ہدایت نامہ ہمیں عطا فرمایا جاوے - جس کی روشنی میں ہمیشہ ہم صراط مستقیم پر قائم رہ کر منزل مقصود تک پہونچ سکیں -

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

وہ ایسی سکھوں کی راہ ہو - جس پر تیرے مقبول فرمانبردار بندے ہمیشہ چل کر سکھ حاصل کرتے رہے ہوں -

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

اور ایسے تمام خطرناک اور دکھوں کے راستوں سے بچائے - جن پر سانپ بچھو - ڈاکوؤں اور راہزن لٹیروں کے مسکن ہوں - اور منزل مقصود سے دور پھینک کر گمراہ اور برباد کرنے والے ہوں -

انسانی سرشت اور فطرت کے لحاظ سے یہ ایک نہایت واجبی درخواست تھی - جو اَللّٰہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے حضور پیش ہو کر قبول ہوئی اور ایک ایسا کامل و مکمل ہدایت نامہ جس کا نام قرآن مبین ہے - انسان کی رہنمائی کے لئے بھیجکر فرمایا -

نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا

تو ہم دونوں راہوں میں کھلا کھلا فرق کرنے والا ہدایت نامہ روشنی اور نور اپنے ایک عبد کے ذریعہ بھیجتے ہیں - یہ مشعل ہدایت ہے - جو بھی اس کی پیروی کریگا - دکھوں سے بچکر ابدالآباد تک سکھوں میں رہیگا - اور اسی لئے ہر صحیح الفطرت انسان کے لئے بجز اس کے کوئی مفر نہیں کہ جہاں وہ پہلے

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

کا اقرار کرچکا ہے اب اس کے ساتھ یہ دوسرا اقرار کرنے کے لئے بھی اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے - کہ اس کا ذرّہ ذرّہ پکار اٹھے

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

(باقی دارد)

نوٹ } دوستو مجھے افسوس ہے کہ میں اس مضمون کو نامکمل چھوڑتا ہوں - اس لئے کہ یادگاری نمبر میں بڑے بڑے جلیل القدر بزرگوں کی تحریریں بھی شامل ہونی ہیں - کسی ایک مضمون کے لئے اتنی جگہ نکالنی خصوصاً جسقدر کہ اس مضمون کو ضرورت ہے - ایک محال اور ناممکن امر ہے - دوسرے میں یقین رکھتا ہوں کہ مضمون کا بقیہ حصہ اگرچہ دوسرے لباسوں میں ہوگا - دوسرے بزرگوں اور دوستوں کی تحریروں میں کماحقہ آجائیگا -

والسّلام

عاجز محمد حسین قریشی بلڈنگز (لاہور)

ذکر حبیب صادق کی زبانِ قلم سے

پُرانی نوٹ بُک کا ایک صفحہ

مخدومی حضرت ڈاکٹر صادق ان بزرگوں میں سے ایک ہیں - جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاص پیاروں میں ہونے کی سعادت اور شرف حاصل ہے - جن کی نسبت حضرت مسیح فرمایا کرتے تھے - کہ لاہور سے ہمارے حصہ میں مفتی محمد صادق ہی آئے ہیں - ڈاکٹر صادق کی ہمیشہ سے عادت تھی کہ حضرت کی مجلس میں کوئی بات سنتے تو نوٹ کرتے - خاص نمبر کے لئے مخدومی صادق نے پسند کیا ہے - کہ بزم احمد کی یاد تازہ کرنے کے لئے اپنی پرانی نوٹ بک کا ایک صفحہ الحکم کی نذر کریں - جسکو نہایت عزت و احترام سے درج کرتا ہوں - عرفانی

سنہ ۱۸۹۷ء کا ذکر ہے - عاجز راقم اپنی ملازمت سے چند روز کی رخصت پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر تھا - ایک دن غالباً ظہر کی نماز کے بعد حضرت صاحب مسجد مبارک کے شمال مغربی کونے میں بیٹھے تھے - گویا کونے کے دونوں طرف کی دیواروں سے آپ کی پشت مبارک لگی ہوئی تھی - خدام اردگرد بیٹھے تھے - میرے قدیمی وطن بھیرہ ضلع شاہپور سے ایک احمدی عورت آئی ہوئی تھی - اس نے دروازہ مسجد پر کھڑے ہو کر ایک مٹی کا کوزہ بھیرے کا بنا ہوا حضرت کے حضور میں پیش کیا - اس کوزے پر کچھ رو پہلی کام کیا ہوا تھا - اس کی شکل اس طرح سے تھی -

حضرتؑ نے اس کوزے کو ہاتھ میں پکڑا - اس کی صنعت کی تعریف کی پھر اس کی مشت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ کسی شاعر نے اس پر ایک رباعی کہی ہے - کہ یہ ایسا ہے جیسا کہ دوست کی گردن میں عاشق ہاتھ ڈالے ہوئے ہو تب آپ نے وہ رباعی پڑھی - میں نے جھٹ اپنی نوٹ بک حضور کی خدمت میں پیش کرکے درخواست کی کہ حضور وہ رباعی مجھے لکھدیں - حضور نے اس ذرہ نوازی سے جو اپنے غلاموں پر کرتے تھے اپنے دست مبارک سے وہ رباعی میری کاپی پر لکھدی - وہ کاپی اب تک محفوظ ہے - اور اس میں سے حضور کی دستی تحریر کا عکس درج ذیل کیا جاتا ہے -

این کوزہ چو من عاشق زارے بود است
دربند سر زلف نگارے بود است
این دست کہ بر گردن او مے بینی
دستے است کہ برگردن یارے بود است

این کوزہ چومن عاشق زارے بوداست
دربند سر زلف نگارے بودا ست
ایں دست کہ در گردن او مے بینی
دست است کہ در گردن یارے بوداست

ترجمہ:۔ یہ کوزہ میری طرح بیچارہ عاشق ہو چکا ہے -
کسی معشوق کی زلف میں قید رہ چکا ہے
یہ ہاتھ جو تو اس کی گردن میں دیکھتا ہے -
یہ وہ ہاتھ ہے جو کسی یار کی گردن میں ہے

سنہ ۱۹۰۱ء کا ذکر ہے - ایک شخص نے میرے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا کہ آپ کو نہ ماننے والے کافر ہیں یا نہیں -

فرمایا "مولویوں سے جاکر پوچھو کہ ان کے نزدیک جو مسیح اور مہدی آنے والا ہے - اس کے نہ ماننے والے کا کیا حال ہے - پس میں وہی مسیح اور مہدی ہوں جو آنے والا تھا"

بھیرہ کے مستری احمد دین صاحب نے ایک دفعہ عرض کی - کہ حضرت جی مجھے کوئی ایسی بات بتلائیے - جس کو میں ہمیشہ یاد رکھوں - اور بطور ایک عزیز چیز کے اپنے پاس رکھوں -

فرمایا "بڑی عزیز بات نماز ہے - اس کو سنوار کر پڑھو اور اسی میں توبہ و استغفار کرو"

اخی مکرمی حکیم شیر محمد صاحب مرحوم کا ایک تحریری سوال ایک دن پیش ہوا - کہ ہم سفر کس کو سمجھیں جس میں نماز میں قصر ہو جائے - میں مسائل کتب کے حوالہ سے نہیں چاہتا - اس میں امام صادق کا حکم چاہتا ہوں -

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "میرا مذہب یہ ہے - کہ انسان بہت دقتیں اپنے پر نہ ڈالے عرف میں جس کو سفر کہتے ہیں - خواہ وہ دو تین کوس ہی ہو اس میں سفر کے مسائل پر عمل کرے - لیکن انما الاعمال بالنیات ہے - بعض دفعہ ہم اپنے دوستوں کے ساتھ سیر کرتے ہوئے کئی میل تک چلے جاتے ہیں - مگر کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آتا - کہ ہم سفر میں ہیں - لیکن جب انسان اپنی گٹھڑی اٹھا کر سفر کی نیت سے چل پڑتا ہے - تو وہ مسافر ہے - شریعت کی بنا دقت پر نہیں - جس کو تم عرف میں سفر سمجھتے ہو - وہی

سفر ہے۔ اور جیسا کہ فرضوں پر عمل کیا جاتا ہے ویسا ہی رخصتوں پر بھی عمل کرنا چاہئیے۔ اور نماز میں قصر کرنی چاہئیے۔ دیکھو ہم بھی رخصتوں پر عمل کرتے ہیں۔ نمازوں کو جمع کرتے ہوئے کوئی دو ماہ ہوگئے ہیں۔ بسبب بیماری کے۔ اور تفسیر سورہ فاتحہ کے لکھنے میں بہت مصروفیت کے ایسا ہو رہا ہے بیماری کی تو یہ دو چادریں ہیں جو آسمان سے آئی ہیں۔ اور قبر تک ہمارے ساتھ جائینگی۔ اور ان نمازوں کے جمع کرنے میں تجمع له الصلوٰة کی حدیث بھی پوری ہو رہی ہے۔ کہ مسیح کی خاطر نمازیں جمع کی جائیں گی۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ نماز کے وقت خود پیش امام نہ ہوگا۔ بلکہ کوئی اور ہوگا۔ اور وہ پیش امام مسیح کی خاطر نمازیں جمع کرائیگا۔ سو اب ایسا ہی ہوتا ہے۔ جس دن ہم زیادہ بیماری کی وجہ سے نہیں آسکتے۔ اس دن نمازیں جمع نہیں ہوتیں۔

اور اس حدیث کے الفاظ سے ایسا ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے پیار کے طریق سے یہ فرمایا ہے۔ کہ اسکی خاطر ایسا ہوگا۔

چاہیئے کہ ہم حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیش گوئیوں کی عزت و تعظیم کریں۔ اور ان سے بے پرواہ نہ ہوویں۔ ورنہ یہ ایک گناہ کبیرہ ہوگا۔ کہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیش گوئیوں کو خفت کی نگاہ سے دیکھیں۔ خدا تعالےٰ نے ایسے ہی اسباب پیدا کر دئے۔ کہ اتنے عرصہ سے نماز جمع ہو رہی ہے۔ ورنہ ایک دو دن کے لئے یہ بات ہوتی تو کوئی نشان نہ ہوتا۔ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لفظ لفظ اور حرف حرف کی تعظیم کرتے ہیں۔"

میری ایک نوٹ بک پر ۱۵ فروری ۱۹۰۱ء کے نیچے ایک یادداشت لکھی ہے۔

مہر نبی بخش بٹالوی نے اشتہار دیا ہے کہ مرزا صاحب جو مخالفین کو کافر کہتے ہیں۔ میں نہیں کہتا۔ اور اس بات میں ان سے علیحدہ ہوتا ہوں۔

اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا . . . . . . درخت پر ہر طرح کے میوے لگتے ہیں۔ بعض کچے بھی گر جاتے ہیں۔ تم سب کے ساتھ حلم اور نرمی اختیار کرو۔"

اور شیخ یعقوب علی صاحب کو سمجھایا۔ کہ اخبار میں اس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

اس سے ظاہر ہے۔ کہ مسئلہ کفر و اسلام کب سے چل رہا ہے۔

قریباً ۱۸۹۶ء کا ذکر ہے۔ فرمایا۔

"شروع شروع میں لوگ ہم کو اپنی خوابیں سنایا کرتے تھے۔ کہ ہم نے دیکھا ہے۔ کہ مسیح آسمان سے نازل ہوا ہے اور آپ کی اس کوٹھڑی میں اترا ہے۔"

۱۶ فروری ۱۹۰۱ء شام

راولپنڈی کے حکیم شاہ نواز کا ذکر آیا۔ کہ مخالفین نے ان کی ضمانت کرادی ہے۔ اور وہ اپیل کرنا چاہتے ہیں فرمایا۔" ان کو لکھ دو اپیل نہ کریں۔ اس میں خرچ کا بڑھنا اور بے فائدہ تکلیف ہے۔ اگر بالفرض وہ مقدمہ جیت بھی گئے۔ تو مخالف پھر کوئی اور تجویز ان کو تکلیف دینے کی نکالیں گے بہتر ہے وہ ایک سال کے واسطے راولپنڈی کو چھوڑ دیں۔ اور اس میں اپنی ہتک نہ سمجھیں۔ مومنوں پر ایسی تکالیف آیا ہی کرتی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کو قید کر دیا تھا۔ ایسا ہی دوسرے بزرگوں کو بھی تکالیف آتی رہیں۔ بعض قید ہوئے بعض مارے گئے۔"

نماز عشاء میں ایک رکعت میں امام کھڑا ہوگیا اور حضرت صاحبؑ نے یہ سمجھکر کہ قعدہ کا وقت ہے۔ التحیات پر بیٹھ گئے۔ جب امام نے رکوع کیا تو حضرت اقدسؑ کو معلوم ہوا تو آپؑ بھی کھڑے ہو کر رکوع میں شامل ہوئے۔ اور بغیر فاتحہ کے پڑھنے کے (کیونکہ آپ رکوع میں شامل ہوئے تھے) اس کو ایک پوری رکعت سمجھا۔ نماز کے بعد اس پر گفتگو ہوئی۔ فرمایا۔

"ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِالْفَاتِحَۃِ آدمی امام کے پیچھے ہو۔ یا منفرد ہو۔ ہر حال میں اس کو چاہیئے کہ سورۃ فاتحہ پڑھ لے۔ مگر امام کو چاہیئے۔ کہ جلدی جلدی سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔ بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھے۔ تاکہ مقتدی سن بھی لے اور اپنا بھی پڑھ لے دونوں کا اس کو موقعہ مل جائے۔ اور جو شخص باوجود اپنی کوشش کے جو وہ نماز میں ملنے کے لئے کرتا ہے۔ آخر رکوع ہی میں آکر ملا ہے۔

قرآن شریف میں جو ربنا الذی اعطی کل شیءٍ خلقہ ثم ھدیٰ آتا ہے اس پر فرمایا۔ کہ

"اس میں زیادہ تر دو قسم کے آدمی ہیں۔ ایک بادشاہ اور دوسرے مامور من اللہ۔ یعنی پہلے تو خدا نے ان کو ملک بنایا۔ ثم ھدیٰ یعنی ان کے واسطے تمام سامان مہیا کئے۔ مثلاً ہمارے واسطے ریل تار وغیرہ کے اسباب تبلیغ کے واسطے مہیا کئے۔ ہمارے واسطے یہ ایک جزدی فضیلت ہے۔ تمام انبیاء کے واسطے جزدی فضیلت ہو سکتی ہے۔"

فرمایا۔

"اس کام سے ہم فارغ تو ہوگئے۔ مگر اب جی نہیں چاہتا کہ خالی بیٹھے رہیں۔

مثنوی میں لکھا ہے کہ ایک بیماری ہوتی ہے کہ کہ آدمی ہر وقت یہ چاہتا ہے۔ کہ اس کو کوئی مکیاں مارتا رہے۔ ایسا ہی اہل اللہ کا حال ہوتا ہے۔ کہ وہ آرام نہیں کرتے۔ کبھی خدا ان پر محنت نازل کرتا ہے۔ اور کبھی وہ آپ اپنے پر نازل کر لیتے ہیں۔ نہایت درجہ برکت کا کام یہ ہے کہ انسان خدا کے واسطے کام میں لگا رہے۔ جو دن بغیر کام کے گذر جائے وہ گویا غم کے ساتھ گذرتا ہے۔ مگر بغیر اخلاص کے تمام محنت ضائع چلی جاتی ہے۔

انگریزوں کا تمام ملکوں پر قبضہ ہوتا جاتا ہے۔ امید ہے چین بھی یہ لے ہی لیں گے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ تمام ملک ہلاک ہو جائیں گے۔ من کل حدب ینسلون اچھا یہ سلطنت پر ناز کریں۔ اور ہم اپنے فوائد پر ناز کرتے ہیں۔"

فرمایا۔

"اس سے زیادہ دنیا سے کچھ حاصل نہیں۔ کہ انسان خدا کے واسطے کام کرے اور خدا اس کے واسطے اس میں ستر کھول دے۔ اور مدد عطا کر دے۔"

ہندوستان کے ایک الٰہی بخش* صاحب حضرت اقدسؑ کے شعر خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے عرض کی میں شعر سناؤں۔ فرمایا سناؤ۔ اس نے ایک نظم سنائی۔ فرمایا اور سناؤ۔ اس نے دوسری سنائی۔ فرمایا خوش الحانی عمدہ شے ہے۔

سال میں کبھی ایک دو دفعہ کوئی خود ہی سنائے تو حضرت صاحبؑ اشعار خوش الحانوں سے سنا کرتے تھے

۲۵ فروری ۱۹۰۱ء ظہر سے پہلے حضرت اقدسؑ کو الہام ہوا

"کتابٌ مسلوخۃٌ عند وعظٍ معطّل"

محمد صادق عفا اللہ عنہ قادیان ۱۸ ۵/۴ ۴۲ء

* امروہہ ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ (عرفانی)

غیر مطبوع ملفوظات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اکثر ڈائریاں اور ملفوظات ابھی تک غیر مطبوع ہیں۔ کسی وجہ سے وہ اپنے وقت پر درج اخبار نہ ہوسکیں۔

مکرمی چودھری برکت علی خاں صاحب نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ اس نمبر میں غیر مطبوعہ ڈائریاں دیجائیں۔ لیکن باہر کے مضامین کو جگہ دیگر اس لئے بہت زیادہ جگہ نہیں مل سکتی تھی۔ تاہم ایک صفحہ اس مقصد کے لئے بھی نکالا گیا اور یہ حضرت ڈاکٹر کی پرانی نوٹ بک سے لیا گیا ہے امید ہے قارئین کرام کی دلچسپی کا موجب ہوگا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے غیر مطبوع ملفوظات کو یکجائی طور پر چھاپ دینے کا ارادہ ہے۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ احباب اس کے لئے شوق ظاہر کریں۔ ابھی تک مکتوبات کا سلسلہ بھی ختم نہیں کر سکا۔ مکتوبات کی ساتویں جلد

زیر ترتیب ہے

بلکہ اس کا کچھ حصہ کاتب نے لکھ بھی دیا تھا۔ مگر وہ چھپ نہ سکا اور کاپیاں ردی کرنی پڑیں۔ اب اگر احباب نے خواہش کی جس کا اندازہ درخواستوں سے ہوسکیگا۔ تو کم از کم پانچسو درخواستیں آنے پر پہلے مکتوبات کی ساتویں جلد اور پھر آٹھویں نویں اور دسویں جلد پوری کر دیجائیگی انشاء اللہ العزیز۔ اور پھر غیر مطبوع ڈائریوں کا سلسلہ چھاپنے کا ارادہ ہے۔ وباللہ التوفیق احباب اگر چاہتے ہیں کہ یہ کام جلد ہو جائے تو درخواستیں بھیجدیں۔ (عرفانی)

ریاست حیدرآباد دکن میں احمدیت کا شیوع

(اثر خامہ حضرت مولانا محمد ابوالحمید آزاد وکیل ہائیکورٹ حیدرآباد دکن)

دنیا میں انبیاء و رسل علیہم السلام کی بعثت اور مجددین و محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ماموریت اسوقت ہوا کرتی ہے جب دنیا میں ضلالت کا طوفان اور گمراہی کی تیز و تند آندھیوں کا زور شور ہوتا ہے۔ دنیا سے توحید باریتعالے مٹنے کو ہوتی ہے اور تقوٰے و طہارت۔ امانت و دیانت۔ مروّت و فتوت اور اطاعت لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ کی جگہ فسق و فجور۔ ظلم و جور۔ ہوا و ہوس۔ شرک و بدعت کا دریا موجزن ہوتا ہے قلوب عالم مادہ پرستی اور دنیا طلبی کی طرف جھکی ہوتی ہے۔ اور گمراہی و ضلالت اپنے انتہائے عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ اور ظہر الفساد فی البرّ والبحر کا نقشہ عالم پر کھنچ جاتا ہے۔ ایسے وقت میں غیرت الٰہی اپنی توحید کے پھیلانے اور رحمت باری اپنے بندوں کو ورطۂ ضلالت و چاہ ہلاکت سے بچانے اور نکالنے کے واسطے تقاضا کرتی اور جوش مارتی ہے تو اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے اس شخص کو جسمیں پیغام حق پہنچانے کا مادہ اور اصلاح خلق کی استعداد دیکھتا اور پاتا ہے چن لیتا ہے۔ اور اسکو حسب تقاضا و مصلحت وقت خلعت رسالت و نبوت یا حلۂ مجددیت و محدثیت سے آراستہ و پیراستہ کرکے دنیا کی اصلاح و ہدایت اور اپنے بندوں کی فلاح و بہبود کیواسطے مبعوث و مامور کرتا ہے۔

یاد رہے کہ دنیا کے فساد و فتن کیوقت جب کوئی مصلح آتا ہے تو اسکے ظہور کے وقت آسمان سے ایک نورانیت کا انتشار ہوتا ہے اسکے اترنے کے ساتھ زمین پر ایک نور بھی اترتا ہے اور مستعد دلوں پر نازل ہوتا ہے۔ اسوقت دنیا خود بخود بشرط استعداد نیکی اور سعادت کیطرف رغبت کرتی ہے اور ہر ایک دل تدقیق و تحقیق کیطرف متوجہ ہوجاتا ہے اور نامعلوم اسباب سے طلب حق کے لئے ہر ایک طبیعت مستعدہ میں ایک حرکت پیدا ہوجاتی ہے۔ غرض ایک ایسی ہوا چلتی ہے جو مستعد دلوں کو آخرت کیطرف ہلا دیتی ہے اور سوئی ہوئی قوتوں کو جگا دیتی ہے اور زمانہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک انقلاب عظیم کی طرف حرکت کر رہا ہے۔ یہ علامتیں اس بات پر شاہد ہوتی ہیں کہ وہ مصلح دنیا میں پیدا ہوگیا۔ پھر جسقدر آنے والا عظیم الشان ہو یہ تحریکات غیبی قوت کے ساتھ مستعد دلوں میں اپنا کام کرتی ہیں۔ ہر ایک سعید الفطرت جاگ اٹھتا ہے مگر نہیں جانتا کہ اسکو کس نے جگایا۔ اور ہر ایک صحیح الجبلت اپنے اندر ایک تبدیلی پاتا ہے اور نہیں معلوم کرسکتا کہ یہ تبدیلی کیونکر پیدا ہوئی۔

غرض ایک جنبش دلونمیں شروع ہوجاتی ہے اور نادان خیال کرتے ہیں کہ یہ جنبش خود بخود پیدا ہوگئی ہے لیکن درپردہ وہ ایک رسول (یا مجدد یا محدث) کے ساتھ انوار نازل ہوتے ہیں جیسا کہ سورۃ القدر میں اسکو بتایا ہے۔[۱]

چونکہ حضرت اقدس جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ و علےٰ صاحبہ تحیۃ والثناء منصہ شہود پر جلوہ فرما ہوچکے تھے اسی سنت اللہ کے بموجب جو اوپر بیان ہوئی ضروری تھا کہ بلدہ حیدرآباد اور اس کے اضلاع میں بھی اس نورانیت کا انتشار پیدا ہوتا جو ہو کر رہا۔ یہ زمانہ تصنیف براہین احمدیہ اور اس کے طبع کو سوال کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں کاتب الحروف اور اخویم مولوی سر مردان علی صاحب مرحوم مددگار دفتر صدر محاسبی سرکار عالی اور اخویم مولوی ظہور علی صاحب مرحوم وکیل ہائیکورٹ اور مولوی مرزا صادق علی بیگ صاحب مرحوم استاد و ملازم نواب سر وقار الامراء بہادر مرحوم مدار المہام سرکار عالی ریاست حیدرآباد دکن کی ایک صحبت اخویم مولوی ظہور علی صاحب مرحوم کے مکان واقع محبوب گنج متصل افضل گنج پر ہوا کرتی تھی۔ اسی زمانہ میں طبع براہین احمدیہ کا اشتہار ہم لوگوں کو ملا۔ مگر یہ یاد نہیں کہ کس ذریعے سے یہ اشتہار ہم تک پہنچا۔ اس اشتہار سے ہم لوگوں میں تحریک پیدا ہوئی۔ کہ اس کتاب کی طبع میں کوشش کرنی چاہیئے چنانچہ مرزا صادق علی بیگ صاحب مرحوم نے موقع مناسب پر اس کا تذکرہ نواب سر وقار الامراء بہادر مرحوم سے کیا۔ نوابصاحب مرحوم نے اپنی جیب خاص سے ایکسو روپیہ عنایت فرمایا۔

مجھے جہانتک یاد ہے براہین احمدیہ کے پہلے ایڈیشن میں خود حضرت اقدس علیہ السلام نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ ایڈیشن اب میرے پاس نہیں ہے۔

جب براہین احمدیہ کی وہ جلد چھپ کر آئی جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کے انعام کا اشتہار ہے اور ہم لوگوں نے اسے پڑھا تو ہمارے قلوب کی جو حالت اس کے پڑھنے سے ہوئی اسکا بہتر علم اللہ تعالےٰ کو ہی ہے۔ اس کے بعد رسالجات فتح اسلام اور توضیح مرام بھی ہم نے پڑھے۔ اور حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنی ماموریت کا اعلان فرمایا۔ اسوقت جہانتک مجھے یاد ہے اخویم مولوی میر مردان علی صاحب مرحوم اور اخویم مولوی ظہور علی صاحب مرحوم نے اپنی اپنی عمروں سے پانچ پانچ سال حضرت اقدس علیہ السلام کو دینے کے متعلق خطوط روانہ کئے اور بیعت کے عریضے تحریر کئے۔ مگر ازالہ اوہام جلد دوم طبع جدید کے صفحہ ۱۳۱۱ پر جو تحریر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی درج ہے اور جو ذیل میں درج کیجاتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اخویم مولوی سر مردان علی صاحب مرحوم نے پہلے اپنی عمر میں سے پانچ سال 22 اور بیعت کا خط لکھا اور سبقت کی ہے۔ وہ عبارت یہ ہے:۔

عبارت ازالہ اوہام جلد ۲ صفحہ ۱۳۱۱ طبع جدید:

"اخویم مولوی سر مردان علی صاحب صدر محاسب دفتر سرکار نظام حیدرآباد دکن۔ بھی ذکر کے قابل ہیں (نوٹ۔ مددگار کا لفظ سہو کتابت سے رہ گیا ہے) مولوی صاحب موصوف نے درخواست کی ہے کہ میرا نام سلسلہ بیعت کنندونمیں داخل کیا جائے چنانچہ داخل کیا گیا۔ ان کی تحریرات سے نہایت محبت و اخلاص پایا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے سچے دل سے پانچ برس اپنی عمر میں سے آپکے نام لگا دیئے ہیں خدا تعالےٰ نے میری عمر میں سے کاٹ کر آپ کی عمر میں شامل کردے۔ سو خدا تعالےٰ اس ایثار کی جزا انکو بخشے کہ انکی عمر دراز کرے۔ انہوں نے اور اخویم مولوی ظہور علی صاحب اور مولوی غضنفر علی صاحب نے نہایت اخلاص سے دس دس روپیہ ماہواری چندہ دینا قبول کیا ہے اور بہتر روپیہ امداد کے لئے بھیجے ہیں۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔"

ازالہ اوہام کے پڑھنے کے بعد اخویم مولوی میر مردان علی صاحب مرحوم اور اخویم مولوی ظہور علی صاحب مرحوم نے تو دارالامان کے سفر کی تیاری کرلی۔ جب یہ چلنے لگے۔ تو روانگی سے ایک دو روز پیشتر اخویم مولوی میر مردان علی صاحب مرحوم نے تحریر کے ذریعے حضرت اقدس علیہ السلام کے بارے میں مجھ سے اپنے خیالات کے اظہار کی خواہش کی۔ اس عرصہ میں میں نے کئی مرتبہ غالباً تین بار ازالہ اوہام کو پڑھ کر ختم کر لیا تھا۔ میں نے اپنے خیالات ظاہر کئے۔ اور ان کو یہ بھی کہا کہ اس تحریر کو حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت مبارک میں کسی موقع و محل پر پیش کریں۔ بعد ملاحظہ کے جو کچھ ارشاد ہو اس سے مطلع کریں۔ جب یہ حضرات دارالامان سے تشریف لائے تو مجھ سے وہ الفاظ بیان کئے جو حضرت اقدس علیہ السلام نے اس خاکسار کی نسبت ارشاد فرمائے۔ اس مقام پر میں ان الفاظ کا اعادہ کرنا مناسب خیال نہیں کرتا اور نہ مجھے یاد ہیں۔ اللہ تعالےٰ مجھے ان الفاظ طیبہ کا مصداق بنائے آمین ثم آمین۔ البتہ خاکسار حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کی خدمت عالی میں خصوصاً اور تمام بزرگان سلسلہ اور برادران جماعت سے عموماً بعجز تمام التماس کرتا ہے کہ درد دل سے اس خاکسار کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ مجھے ان مبارک الفاظ کا پورا پورا مصداق و وارث بنائے۔

جب وہ مژدۂ جان بخش و روح پرور مجھے پہنچا تو یہ خاکسار بھی سلسلۂ بیعت میں داخل ہوگیا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

جسطرح بلدہ حیدرآباد میں وہ انتشار نور اپنا کام کر رہا تھا اسی طرح ممالک محروسہ سرکار عالی کے اضلاع میں بھی نور اپنا اثر پھیلا رہا تھا۔ بلدہ حیدرآباد میں جہاں یہ کاتب الحروف اور اخویم مولوی میر مردان علی صاحب مرحوم اور اخویم مولوی ظہور علی صاحب مرحوم اور مولوی سید محمد رضوی صاحب وکیل ہائیکورٹ سرکار عالی جو اب ایک زمانہ سے بمبئی میں اقامت گزین ہیں۔ سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے۔ وہاں اضلاع کے لوگوں سے اخویم مولوی صفدر حسین صاحب مرحوم مہتمم تعمیرات اور اخویم سید ظہور اللہ احمد صاحب ڈاکٹر نے بھی بیعت کی۔ تین سو تیرہ کی فہرست

[۱] منقول از شہادت القرآن صفحہ ۱۷ طبع جدید۔

میں یہ اسماء بیان میں سے بعض درج ہیں۔

پھر جب ہماری جماعت کے امیر حضرت مولانا مولوی میر محمد سعید صاحب دام فیوضہ چھ ماہ کی اقامت کے بعد دارالامان سے بلدہ حیدرآباد واپس تشریف لائے تو جناب ممدوح نے افراد جماعت کو جمع کر کے باقاعدہ نماز جماعت و عیدین کا انتظام فرمایا۔ جو ملکے مکان واقع محلہ سعیدپورہ میں ہوا کرتی تھی۔ حضرت امیر کی تشریف آوری کے بعد سے تبلیغ کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ موضع یادگیر ضلع رائچور میں ایک خاصی تعداد جماعت کی موجود ہے۔ جن میں سیٹھ حسن صاحب اور انکے بھائی سیٹھ محمد خواجہ ہیں۔ اور بلدہ میں ہمارے جماعت کے درخشندہ گوہر نواب اکبر نواز جنگ بہادر معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ سرکار عالی اور اخویم مولوی سید بشارت احمد صاحب جنرل سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ حیدرآباد۔ اور ان کے بھائی اخویم حکیم میر سعادت علی صاحب اور اخویم مولوی بہاء الدین صاحب اور اخویم مولوی حافظ عبدالعلی صاحب وکیل ہائیکورٹ اور اخویم مولوی عبدالقادر صاحب مچھلی بندری اور اخویم مولوی محمد عثمان صاحب اور اخویم قاضی عبدالکریم صاحب اور اخویم سیٹھ محمد غوث صاحب۔ اور سکندرآباد میں اخویم سیٹھ عبداللہ بھائی صاحب اور اخویم سیٹھ ابراہیم علاء الدین صاحب اور اخویم سیٹھ حاجی ایم ابراہیم صاحب ہیں۔ غرضیکہ ایک لمبی فہرست ہے جو بخوف طوالت ترک کی گئی ہے۔ اسی طرح دوسرے اضلاع سرکار عالی میں بھی ہماری جماعت کے افراد موجود ہیں۔

حضرت امیر جماعت کے اس تبلیغی مساعی جمیلہ اور اس کے مبارک اثرات کو دیکھ کر بعض خفاش چشموں کی آنکھوں کو آفتاب صداقت کی تجلی نے اندھا کر دیا۔ اور ان کے سینوں میں آتش حسد و عناد کا شعلہ بلند ہونے لگا۔ مولوی انوار اللہ خان صاحب مرحوم افسر اعلیٰ امور مذہبی سرکار عالی نے ازالہ اوہام کے جواب میں انوار الحق نامی ایک کتاب لکھی۔ اخویم مولوی صفدر حسین صاحب مرحوم نے اس پر تنقیدی نظر ڈالی۔ اور اسکا نام انوار الحق پر ایک سرسری نظر تحریر کر کے شائع کیا۔ اور حضرت امیر جماعت نے مکمل جواب نہایت شرح و بسط کے ساتھ تصنیف فرمایا اور اسکا نام انوار اللہ رکھا۔ جو جماعت کی طرف سے طبع کرایا گیا اور بکثرت شائع کیا گیا۔ الغرض اللہ تعالیٰ مستعد دلوں کو کھینچ کھینچ کر لاتا۔ اور سلسلہ بیعت میں لوگوں کو داخل کرتا جاتا ہے۔ اللھم زد فزد۔

حضرت امیر جماعت کی مساعی یہیں تک محدود نہیں رہی بلکہ جب آپ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکہ معظمہ میں بھی آپ نے ایک جماعت قائم فرمائی جسکا ذکر ہمارے سلسلہ کے اخبار و میں آچکا ہے۔

یہ مختصر تذکرہ بلدہ حیدرآباد اور اس کے اضلاع میں شیوع احمدیت کا ہے جو درج کیا گیا۔ اور تفصیلات سے بخوف طوالت چشم پوشی کی گئی ہے۔ ورنہ اگر فرداً فرداً ہر ایک شخص کی کیفیت اور وجہ سلسلہ بیعت میں داخل ہونے کی لکھی اور یہ بتایا جائے کہ ہر ایک فرد جماعت کو کیونکر اس سلسلہ حقہ کی صداقت معلوم ہوئی تو ایک کئی سو صفحوں کی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اس لئے تنے ہی پر میں مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں اس سلسلہ کو فروغ دے اور تمام میں پھیلائے۔ اور یوماً فیوماً اسکو ترقی دے۔ اور ہمارے بادشاہ ذی جاہ اعلیحضرت خلد اللہ ملکہ کو حضرت اقدس علیہ السلام کے اس الہام کہ (بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے) اولین مصداق بنائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

الحکم

حیدرآباد میں احمدیت کے شیوع کی جو نہایت مختصر تاریخ مخدومی حضرت ابوالحمید صاحب سلمہ اللہ الوحید نے لکھی ہے وہ حیدرآباد میں اشاعت احمدیت پر کسیقدر روشنی ڈالتی ہے اور لاریب اس مختصر میں اس سے زیادہ کی گنجائش بھی نہ تھی۔ حیدرآباد کی تاریخ احمدیت نہایت شاندار اور جماعت کے کارنامے بہت نمایاں ہیں۔ اور میں کہتا ہوں شاید حیدرآبادی احباب اسکو اپنے ہاتھ سے نہ لکھ سکیں اور اگر خدا نے چاہا تو خاکسار عرفانی اس پر لکھیگا۔ حیدرآباد میں احمدیت کی تاریخ کا یہ خاکہ نامکمل رہجائیگا اگر میں اس میں بعض ضروری امور کا تذکرہ نہ کروں۔

۷ر فروری ۱۸۹۸ء کو جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے طاعون کے متعلق اعلان کیا تو جماعت حیدرآباد نے اس اشتہار پر ایک خاص جلسہ احباب کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک عریضہ نیاز لکھا جس میں اپنے عقیدہ اور ایمان کا جو وہ حضرت مسیح موعودؑ پر رکھتی تھی علی الاعلان اظہار کر کے حضرت مسیح موعودؑ کو اس پر گواہ ٹھہرایا حضرت اقدس نے خاص طور پر اس کی اشاعت کا حکم دیا اور وہ الحکم ۲۰ مارچ ۱۸۹۸ء میں شائع کیا گیا۔ اس پر صرف دس آدمیوں کے دستخط تھے۔ (۱) میر مردان علی (۲) محمد نصیر الدین (۳) محمد ابوالحمید (۴) سید عبدالحی (۵) سید عمر مرتضوی (۶) صفدر حسین (۷) محمد عباس (۸) مرزا محمد بیگ (۹) محمد مظہور علی (۱۰) مرزا صادق علی بیگ۔

گویا اسوقت تک یہ دس آدمی تھے۔ پھر یہ جماعت ترقی کرنے لگی اور اب اسکی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہے۔

حضرت خلیفۃ اول رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں رود موسےٰ کی طغیانی نے حیدرآباد پر طوفان نازل کیا مگر خدا تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو محفوظ رکھا۔ چادر گھاٹ دروازہ کے اندر امور مذہبی کے دفتر کے متصل ابتک درۃ الدرانی کے مصنف کے کھنڈرات ایک عبرتناک نظارہ دشمن حق کے انجام کا پیش کرتے ہیں اور حیدرآباد کو سبق دیتے ہیں۔ میں جب وہاں سے گذرتا تو میرا دل ایک ایمانی لذت اور خدا کی قہری تجلی کے خوف سے بھر جاتا تھا۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے خاص طور پر ابوسعید عربی کو جماعت کی خیر و عافیت اور حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا حضرت خلیفۃ ثانی کے عہد میں جماعت کی ترقی میں ایک حرکت زور سے شروع ہو گئی ہے۔ اور جماعت نہ صرف تعداد میں بلکہ جماعت اپنے شرکاء کے اعزازی و اقتداری حیثیت سے بھی بڑھ رہی ہے۔ اب اس میں ہر طبقہ کے لوگ آ رہے ہیں۔ اللھم زد فزد

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے ایک رؤیا کی بناء پر اعلیٰ حضرت خسرو دکن کو تحفۃ الملوک لکھ کر بھیجا۔ جسکے پہنچانے کی سعادت مخدومی حکیم محمد حسین صاحب قریشی کے حصہ میں آئی۔

حضرت خلیفہ ثانی نے حیدرآباد میں دو مرتبہ تبلیغی مشن بھیجے۔ جن کا نمایاں اثر حیدرآباد میں جماعت کی ترقی اور سکندرآبادی جماعت کا قیام ہے۔ میں اس جائز فخر کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ سکندرآبادی جماعت کی تحریک کا بیج خاکسار عرفانی کے ہاتھ سے بویا گیا تھا۔ اور قدرتی طور پر میں اس جماعت کی ترقی کے لئے دائماً دعا کرتا رہتا ہوں۔

حیدرآباد کی تاریخ احمدیت میں یہ واقعہ بھی شاندار ہے کہ تمنا دالتدا مرتسری کے تعاقب کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے فاضل مصری اور مولوی فضل الدین صاحب کو بھیجا جو کامیابی سے واپس آئے۔ اور اس تحریک کے نتائج اب ظاہر ہو رہے ہیں۔

اسی سلسلہ میں مجھے اس امر کا اظہار بھی کرنا ضروری ہے۔ کہ یہ جماعت اپنی تعداد اور اخلاص میں روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جماعت پر مختلف قسم کے انعامات ہو رہے ہیں۔

سکندرآباد کی جماعت برادرم سیٹھ عبداللہ صاحب کی مخلصانہ مساعی اور درد مندانہ دعاؤں کا ایک خاص نتیجہ ہے۔ اور جسقدر اشاعتی کام تحریر کے ذریعہ سکندرآباد سے ہو رہا ہے۔ وہ قابل رشک ہے۔ اور یہ سب کام ایک مشت استخوان انسان کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ خدا کی خاص تائید مشاہدہ ہوتی ہے۔

انگریزی اور گجراتی میں بہت سا لٹریچر سیٹھ عبداللہ بھائی نے مہیا کیا ہے۔ اور ہزارہا روپیہ اس کام پر خرچ کر دیا ہے۔ اور صبح سے شام تک وہ اسی دھن اور فکر میں لگے رہتے ہیں۔ کہ کسی طرح پر یہ پیغام دنیا میں پہنچ جاوے۔

حیدرآباد کے مخلصین میں سیٹھ محمد غوث صاحب ایک خاص رنگ رکھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفہ ثانی کے ساتھ انکو ایک عاشقانہ ارادت ہے۔

میں نے انکو دیکھا ہے کہ وہ اسی ٹوہ اور تلاش میں رہتے ہیں۔ کہ سلسلہ کی خدمت کے لئے کوئی موقع پا سکیں

حضرت خلیفۃ المسیح کی بعض مکاشفات حیدرآباد میں احمدیت کے مستقبل کی شاندار بنیادیں اپنے اندر رکھتی ہیں اور خدا کے فضل کے ہم امیدوار ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے ان نیک ارادوں میں کامیابی عطا فرماوے۔ اور ہم سب کو توفیق دے۔ آمین۔

عرفانی

یاد آتا ہی ہمیں آقا کا وہ یومِ وفات
کیا صداقت کے نشاں تھے آپ میں اور معجزات

(از قلم مولوی جلال الدین شمس سیکھوانی مجاہد ملکانہ)

۲۶-مئی کا جانکاہ واقعہ شیدایان دین خیر الانام و فدایان ملتِ اسلام کو ہرگز نہیں بھول سکتا۔ اس واقعہ فاجعہ و حادثہ ہائلہ سے ہزاروں آنکھیں چشم پر آب ہوئیں اور ہزاروں دل بوجہ قلق و اضطراب ہنسلیوں تک آ گئے۔ کیونکہ اسدن ایک جلیل القدر انسان اور عظیم الشان اسلامی پہلوان یعنی مہدی موعود آخر الزمان و مسیح موعود امام الزمان مہتم بالشان خادم سید الانس والجان معین و حامی ملت اسلام نے اس دنیائے فانی کو الوداع کہا۔ آپ کی وفات حسرت آیات جو آپ کے الہامات کے مطابق واقع ہوئی ایسی نہیں ہے کہ اس کی یاد دلوں سے جاتی رہے اور اسکا نقش دلوں سے مٹ جائے۔ اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہی آپ کی وفات سے اس تازہ بتازہ وحی سے ہم محروم ہو گئے جس نے بنجر و خشک سنگلاخ زمینوں اور ویران و سنسان جنگلوں کو سبزہ زار اور پر فضا میدان بنا دیا۔ اور ہدایت و نور سے ویران دلوں کو نور سے معمور کر دیا تھا اور ان تازہ بتازہ نشانات کی مشتاق دید آنکھیں ترسنے لگیں جنکا مقابلہ کرنے سے مخالفین اسلام ساکت و صامت رہتے اور مومنوں کے لئے ازدیاد ایمان اور قلبی اطمینان کا موجب تھے۔

آپ نے دنیا میں کیا کیا

آپ نے دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اور تمام مذاہب باطلہ کو مقابلے پر بلایا اور براہین نیرہ سے اسلام کو غالب کر کے دکھایا۔ آپ سلطان القلم تھے۔ جن کی زور قلم نے مخالفین اسلام کے چھکے چھوڑا دئے اور اسلام کی تائید اور مذاہب باطلہ کی تردید میں وہ وہ تحریریں لکھیں کہ مخالفین اسلام کو حیران و ششدر کر دیا۔ اور اسلام کو پنجۂ اعداء سے چھڑا کر ایک زندہ اور طاقتور مذہب بنا دیا۔ آپ ہی نے آریہ سماج کے کوبرا کی زہریلی تیز کچلیوں کو توڑا۔ اور پادریوں کے دجل اور مکر و فریب کو پاش پاش کیا۔ آپ کے قلم کی قوت اور حکومت مسلّم تھی۔ آپ ایک شیر خدا تھے۔ جب مخالفین کو مقابلہ پر بلاتے تھے تو اُن کے اوسان خطا ہو جاتے تھے اور ہوش و حواس بجا نہ رہتے۔ انکی ہمتیں پست ہو جاتیں۔ طاقتیں مسلوب۔ ناطقہ بند اور قلمیں ٹوٹ جاتی تھیں۔ آپ نے مخالفین اسلام پر روحانی تلوار آبدار ایسی چلائی کہ ان کے سر یکدفعہ قلم کر دئے۔ آپ نے تمام مذاہب کو روحانی مقابلہ کی دعوت دی۔ مثلاً آپ نے آئینہ کمالات اسلام میں ایک اشتہار بنام جملہ پادری صاحبان و ہندو صاحبان و آریہ صاحبان و سکھ صاحبان و دہریہ صاحبان و نیچری صاحبان وغیرہ لکھا:۔

"چونکہ اس زمانہ میں مذاہب مندرجہ عنوان تعلیم قرآنی کے سخت مخالف ہیں اور اکثر ان کے ہمارے سید و مولٰے حضرت محمد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو حق پر نہیں سمجھتے۔ اور قرآن شریف کو ربانی کلام تسلیم نہیں کرتے۔.......... اور ہر ایک کا دعوٰی ہے کہ میری راہ خدا تعالٰے کی مرضی کے موافق ہے اور مدار نجات اور قبولیت کی فقط یہی راہ ہے و بس۔ اور اسی راہ پر قدم مارنے سے خدا تعالٰے راضی ہوتا ہے۔ اور ایسوں سے ہی وہ پیار کرتا ہے۔ اور ایسوں کی ہی وہ اکثر اور اغلب طور پر باتیں مانتا ہے اور دعائیں قبول کرتا ہے تو پھر فیصلہ نہایت آسان ہے۔ ...

...... اور خدا تعالٰے کے فضل سے میری یہ حالت ہے کہ میں صرف اسلام کو سچا مذہب سمجھتا ہوں اور دوسرے مذاہب کو باطل اور سراسر دروغ کا پتلا خیال کرتا ہوں۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ اسلام کے ماننے سے نور کے چشمے میرے اندر بہ رہے ہیں اور محض محبت رسول اللہؐ کی وجہ سے وہ اعلٰے مرتبہ مکالمہ الٰہیہ اور اجابت دعاؤں کا مجھے حاصل ہوا ہے کہ جو بجز سچے نبیؐ کی پیروی کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکیگا۔ اور اگر ہندو اور عیسائی وغیرہ اپنے باطل معبودوں سے دعا کرتے کرتے مر بھی جائیں تب بھی ان کو وہ مرتبہ نہیں مل سکتا۔ اور وہ کلام الٰہی جو دوسرے ظنی طور پر اس کو مانتے ہیں۔ میں اسکو سُن رہا ہوں۔ اور مجھے دکھلایا اور بتلایا گیا اور سمجھایا گیا ہے کہ دنیا میں فقط اسلام ہی حق ہے اور میرے پر ظاہر کیا گیا کہ یہ سب کچھ بہ برکت پیروی خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم مجھ کو ملا ہے اور جو کچھ ملا ہے اسکی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں کیونکہ وہ باطل پر ہیں۔ اب اگر کوئی سچ کا طالب ہے خواہ وہ ہندو ہے یا عیسائی یا آریہ یا یہودی یا برہمو یا کوئی اور ہے اس کے لئے یہ خوب موقعہ ہے جو میرے مقابل کھڑا ہو جائے۔ اگر وہ امور غیبیہ کے ظاہر ہونے اور دعاؤں کے قبول ہونے میں میرا مقابلہ کر سکا۔ تو میں اللہ جل شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنی تمام جائداد غیر منقولہ جو دس ہزار کے قریب ہوگی اُسکے حوالے کر دونگا۔ یا جس طور سے اسکی تسلی ہو سکے اسی طور سے تاوان ادا کرنے میں اس کو تسلی دونگا۔ میرا خدا واحد شاہد ہے کہ ہرگز فرق نہیں کرونگا اور اگر سزائے موت بھی ہو تو بدل جان روا رکھتا ہوں۔ میں دل سے یہ کہتا ہوں۔ اور اللہ تعالٰے جانتا ہے کہ میں سچ کہتا ہوں۔ اور اگر کسی کو شک ہو اور میری اس تجویز پر اعتبار نہ ہو تو وہ آپ ہی کوئی احسن تجویز تاوان کی پیش کرے میں اسکو قبول کر لونگا میں ہرگز عذر نہیں کرونگا.......... اور اگر آپ لوگ یہ کہیں کہ ہم مقابلہ نہیں کرتے اور نہ ایمانداروں کی نشانیاں ہم میں موجود ہیں تو آؤ اسلام لانے کی شرط پر یکطرفہ خدا تعالٰے کے کام دیکھو اور چاہئے کہ تم میں سے جو نامی اور پیشرو اور اپنی قوم میں معزز شمار کئے جاتے ہوں وہ سب یا انمیں سے کوئی ایک میرے مقابل پر آوے۔ اور اگر مقابلہ سے عاجز ہو۔ تو صرف اپنی طرف سے یہ وعدہ کر کے کہ میں کوئی ایسا کام دیکھ کر جو انسان سے نہیں ہو سکتا ایمان لے آؤنگا اور اسلام قبول کر لونگا۔ مجھ سے کسی نشان کے دیکھنے کی درخواست کرے .... اگر خدا تعالٰے کوئی عجوبہ قدرت ظاہر کرے جو انسانی طاقتوں سے بالاتر ہو۔ تو بلا توقف اسلام کو قبول کر لیویں۔ اور اگر قبول نہ کریں تو پھر دوسرا نشان یہ ہے کہ میں اپنے خدا تعالٰے سے چاہونگا کہ ایکسال تک ایسے شخص پر کوئی سخت وبال نازل کرے۔ جیسے جذام یا نابینائی یا موت۔ اور اگر یہ دعا منظور نہ ہو تو پھر بھی میں ہر ایک تاوان کا جو تجویز کیجائے سزاوار ہونگا۔" (مفصل دیکھو آئینہ کمالات اسلام)

پس یہ روحانی تلوار سے مقابلہ تھا جس سے تمام مخالفین عاجز آ گئے۔ آپ نے ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا اور ہر میدان میں بلند آہنگی سے آزمائش کے لئے للکارا۔ مگر کسی کو مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی ؎

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

علاوہ ازیں آپ نے ان تمام بدعات اور رسوم اور عقائد فاسدہ کا قلع قمع کیا جو ضعف اسلام کا موجب بن رہے تھے اور باغ اسلام کو از سر نو تر و تازہ کیا۔ اور ایمان جو دلوں سے ایسے پرواز کر گیا تھا جیسے کہ کبوتر اپنے گھونسلے سے پرواز کر جاتا ہے دوبارہ دلوں کو اسکا آشیاں بنایا۔

مسلمانوں کی نظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ وقعت و قدر و منزلت نہ تھی جو کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی تھی انکے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مردہ تھے اور حضرت عیسٰے زندہ۔ ان کے خیال حضرت عیسٰیؑ اور آپ کی والدہ ہی مس شیطان سے محفوظ و مصئون تھے مگر سید الاصفیاء و خاتم الانبیاء ایسے نہیں تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ روح القدس مسیح سے ایک لحظہ کے لئے بھی جدا نہ ہوتا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی کئی دن تک جدا رہتا تھا۔ پھر مسیح کو حقیقی طور پر محی اموات اور خالق الطیور مان رہے تھے اور دو ہزار سال سے بغیر اکل و شرب کے زندہ۔

غرضیکہ انہوں نے مسیح کو ایسی صفات دے رکھی تھیں جن کے ماننے سے ان کے خدا ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی اور اسی وجہ سے عیسائیت کا اژدہا اسلام کو کھائے جا رہا تھا۔ مگر آپ نے ان تمام عقائد کو باطل بتایا اور فرمایا:۔

ابن مریم مر گیا حق کی قسم	داخل جنت ہوا وہ محترم
مارتا ہے اسکو فرقاں سر بسر	اسکے مر جانے کی دیتا ہے خبر
وہ نہیں باہر رہا اموات سے	ہوگیا ثابت یہ تیس آیات سے

اور آپ نے برعکس اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

وفضیلت کو دنیا پر ظاہر کیا اور فرمایا کہ باقی سب نبی مردہ ہیں مگر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ کیونکہ آپؑ کا فیضان قیامت تک جاری ہے۔ آپؑ نے تیس آیات قرآنجید ان کی وفات کے متعلق پیش کیں۔ اور ان کی موت کے معاملہ کو ایسے صاف اور نمایاں طور پر دکھایا۔ کہ جس میں شک کی گنجائش نہ رہی۔ آپؑ نے ان کی قبر کا بھی پتہ بتلایا کہ وہ سری نگر محلہ خانیار میں ہے اور ضروری تھا کہ ایسا ہی ہوتا کیونکہ آپؑ کے آقائے نامدار و دلبند ار حضرت سید نا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مثیل کی قبر کا نشان بتلایا تھا۔ جیسے مسیح ناصری کی قبر کا صحیح پتہ نہ تھا ویسے ہی حضرت موسےٰؑ کی قبر کو بھی کوئی نہیں جانتا تھا جیسا کہ ابتک بائیبل میں لکھا ہوا موجود ہے۔ ملاحظہ ہو استثنا باب ۳۴ آیت ۵ تا ۷:۔

"سو خداوند کا بندہ موسےٰ خدا کے حکم سے موآب کی سرزمین میں مرگیا۔ اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل پر گاڑا۔ پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا۔ اور موسےٰ اپنے مرنے کے وقت ایکسو بیس برس کا تھا۔"

مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آپؑ کی قبر کا نشان دیا۔ جیسا کہ ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت موسےٰؑ کی وفات ہونے لگی تو آپؑ نے دعا کی کہ:۔

رب ادنني من الارض المقدسة رمية بحجر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم والله لو اني عنده لاريتكم قبره الى جنب الطريق عند الكثيب الاحمر متفق عليه (مشکوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۵۰۸)

اے میرے رب مجھے ارض مقدس سے ایک پتھر پھینکنے کے فاصلہ پر قریب کر دے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالےٰ کی قسم کہ اگر میں وہاں ہوتا تو میں تمہیں ضرور انکی قبر دکھا دیتا۔ وہ قبر سرخ ٹیلے کے قریب رستے کے پہلو میں ہے۔

چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مطابق آیت اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا مثیل موسےٰؑ تھے آپؐ نے انکی قبر کا پتہ بتایا مگر منکرین انکار پر ہی اڑے رہے۔ جیسا کہ بائیبل کی مندرجہ بالا آیات سے ظاہر ہے۔ اسیطرح مثیل مسیحؑ نے مسیحؑ کی قبر کا پتہ دیا مگر مخالفین نے ضد و تعصب سے انکار کر دیا۔

اتنا فرق ضرور ہے کہ حضرت موسےٰؑ کی وفات کو لوگ پہلے سے مانتے چلے آئے تھے مگر حضرت عیسےٰؑ کی وفات کے اکثر لوگ قائل نہ تھے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پہلے تو حضرت عیسےٰؑ کی وفات از روئے قرآنمجید و احادیث ثابت کی پھر ان کی قبر کا ثبوت دیا۔

بائیبل کی مذکورۃ الصدر آیات سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت موسےٰؑ کی عمر ایکسو بیس کی ہوئی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت موسےٰؑ کے ہی مثیل تھے تو پھر باوجود اس کے آپؐ نے اپنی مرض الموت میں یہ کیوں فرمایا:۔

اخبرني ان عيسى ابن مريم عاش مائة وعشرين سنة ذاهبا على راس ستين رواه الحاكم في المستدرك عن عائشة والطبراني عن فاطمة (حجج الکرامہ ص ۴۲۵)

کہ حضرت جبرائیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے ایکسو بیس برس عمر پائی اور میں نہیں خیال کرتا مگر یہی کہ میری عمر ساٹھ برس ہوگی۔ اس میں یہی حکمت مضمر تھی کہ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے متعلق تو کوئی جھگڑا پیدا ہونے والا نہیں تھا مگر حضرت عیسےٰؑ کی وفات کے متعلق جھگڑا ہونیوالا تھا۔ اس لئے آپؐ نے پہلے ہی سے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ جسطرح میں ساٹھ برس کی عمر میں وفات پاؤں گا اسی طرح مسیح مجھ سے دوگنی یعنے ایکسو بیس برس عمر پاکر وفات پاچکا ہے۔ اور مرض الموت میں فرمایا تاکہ یہ بات بطور وصیت کے سمجھی جائے۔ مگر آپؐ نے ان کی قبر کا پتہ نہ بتایا کیونکہ وہ اس کے مثیل کا کام تھا۔ سو الحمدللہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعے خدا تعالیٰ نے انکی قبر کی جگہ بتا دی اور جو چیز مدتوں سے مخفی چلی آتی تھی آپؑ کے ذریعے ہویدا ہوگئی۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ جیسے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی وفات پر قریبا دو ہزار برس کا عرصہ گذرنے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی قبر کا نشان بتایا۔ حضرت عیسےٰؑ اس بارے میں خاموش رہے۔ اسی طرح حضرت کی وفات کے قریبا دو ہزار برس بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انکی قبر کا مقام بتلایا مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس بارے میں خاموش رہے۔

پس ایسے اتفاقات کا جمع ہو جانا کسی انسان کے ارادے یا اختیار سے نہیں بلکہ اس احکم الحاکمین کے ارادہ سے ہے جو عالم الغیب اور مخفی در مخفی رازوں سے واقف ہے فتفکر و تشکر۔

پھر آپؑ نے قرآن مجید کے رموز مخفیہ اور نئے نئے معارف و نکات اور حقایق و دقایق بیان کئے مگر افسوس صد افسوس کہ سب سے پہلے برطبق آیت وتجعلون رزقكم انكم تكذبون مسلمانوں نے ہی اس نعمت کی ناشکری کی۔ اور جیسا کہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث میں اشارات پائے جاتے تھے اور جیسا کہ نواب صدیق حسن خان نے حجج الکرامہ ص۳۶۳ میں لکھا تھا کہ جب مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے تو ان پر علماء کفر کا فتوےٰ دینگے۔ اور دین کو خراب کرنے والا قرار دینگے۔ اور جیسا کہ امام ربانی مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں لکھا تھا۔ کہ علماء ظواہر حضرت عیسےٰؑ کے اجتہادی مسائل کے غوامض اور باریک اور دقیق ماخذ ہونے کی وجہ سے اپنی سمجھ سے بالا جان کر ان کا انکار کرینگے اور مخالف کتاب و سنت جانیں گے۔"

علماء نے آپؑ کی مخالفت کی اور آپکو نعوذ باللہ کافر اور ضال اور دجال وغیرہ القاب سے یاد کیا۔ آپؑ نے علماء کے مقابلے میں جو دلائل اور نشانات اپنی صداقت کے پیش کئے انمیں سے چند بطور نمونہ مشتے از خروارے ذیل میں درج کے جاتے ہیں:۔

پہلی دلیل یا نشان

آپ فرماتے ہیں:۔

"دوسری خوبی جو شرطی طور پر ماموریں کے لئے ضروری ہے وہ نیک چال چلن ہے کیونکہ بد چال چلن سے بھی دلوں میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ خوبی بھی بدیہی طور پر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے:۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ پس ان کفار کو کہدے کہ اس سے پہلے میں نے ایک عمر تم میں ہی بسر کی ہے۔ پس کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں کس درجہ کا امین اور راستباز ہوں۔ اب دیکھو کہ یہ دونو صفتیں جو مرتبہ نبوت اور ماموریت کے لئے ضروری ہیں۔ یعنے بزرگ خاندان میں سے ہونا اور اپنی ذات میں امین اور راستباز اور خدا ترس اور نیک چال چلن ہونا قرآن کریم نے آنحضرتؐ کی نسبت کمال درجہ پر ثابت کی ہیں اور آپؐ کے اعلیٰ چال چلن اور اعلےٰ خاندان پر خود گواہی دی ہے۔ اور اس جگہ میں اس شکر کے ادا کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ جس طرح خدا تعالےٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں اپنی وحی کے ذریعہ سے کفار کو ملزم کیا .... اسی طور سے خدا تعالیٰ نے میرے مخالفین اور مکذبین کو ملزم کیا ہے چنانچہ براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۲ میں میری نسبت یہ الہام جس کے شائع کرنے پر بیس برس گزر گئے اور وہ یہ ہے:۔

وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ یعنی ان مخالفوں کو کہدے کہ میں چالیس برس تک تم میں ہی رہتا رہا ہوں اور اس مدت دراز تک تم مجھے دیکھتے رہے ہو کہ میرا کام افترا اور دروغ کا نہیں ہے۔ اور خدا نے ناپاکی کی زندگی سے مجھے محفوظ رکھا۔ تو پھر جو شخص اسقدر مدت دراز تک یعنی چالیس برس تک ہر ایک افتراء اور شرارت اور مکر اور خباثت سے محفوظ رہا۔ اور کبھی اس نے خلقت پر جھوٹ نہیں بولا۔ تو پھر کیونکہ ممکن ہے کہ برخلاف اپنی عادت قدیم کے اب وہ خدا تعالےٰ پر افترا کرنے لگا۔"
(تریاق القلوب بار دوم صفحہ ۱۵۷، ۱۵۸)

پھر فرماتے ہیں:۔

"تم کوئی عیب افترا یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افترا کا عادی ہے یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا۔ کون تم میں سے جو میری سوانح زندگی میں نکتہ چینی کر سکتا ہے؟ پس یہ خدا کا فضل ہے کہ جو اس نے ابتداء سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا۔" (تذکرۃ الشہادتین ص ۶۲)

پس تمام وہ باتیں جو ماموریں اور انبیاء کی صداقت کے لئے انکی زندگی میں پائی جانی ضروری ہیں آپؑ میں موجود تھیں۔ آپؑ نے اپنی قوم میں زندگی بسر کی۔ پھر ایک سال نہیں دو سال نہیں چالیس برس کا عرصہ ان میں گذارا پھر بھی

ہیں کہ آپ کے حالات سے کوئی واقف نہ ہو۔ بلکہ آپ کی زندگی پر لوگوں کی نظر پڑتی تھی۔ اور لوگ آپ پر امیدیں باندھے ہوئے تھے۔ اور باواز بلند پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔ کہ

ہم غریبوں کی ہے تمہیں پہ نظر
تم مسیحا بنو خدا کے لئے

اور چاروں طرف سے انت فینا مرجوا کی صدائیں آتی تھیں پھر آپ کی زندگی بھی بالکل پاک اور مطہر تھی۔

مولوی محمد حسین بٹالوی نے براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے صاف لکھا تھا۔ کہ

مؤلف براہین احمدیہ اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔" اشاعت السنۃ جلد ۷ صفحہ ۱۶۹

پھر صفحہ ۱۷۶ میں اپنی شہادت کی توثیق کی ہے۔ کہ

"مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں۔ ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں۔ بلکہ اوائل عمر کے ہمارے ہم مکتب۔ اس زمانہ میں آجتک ہم میں ان میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلت برابر جاری ہے۔ اس لئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم ان کے حالات و خیالات سے بہت واقف ہیں مبالغہ نہ قرار دئے جانے کے لائق ہے۔"

پس جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا متصف بصفات مذکورہ ہونا بردے قرآن مجید صداقت کی دلیل ہے۔ ویسے ہی حضرت مسیح موعودؑ کی بھی صداقت کی دلیل ہے۔ اور اسی بات کو مسیح نے بھی انجیل میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے

"کون تم میں سے مجھ پر گناہ ثابت کرتا ہے۔"
(یوحنا باب ۸ آیت ۴۶)

دوسرا نشان یا دلیل

خدا تعالے نے قرآن مجید میں آیت لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ میں اپنے قانون کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ مفتری علی اللہ کو خدا تعالے بغیر سزا کے کبھی نہیں چھوڑتا۔ بلکہ اسے قتل یا تباہ برباد کر دیا کرتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی خدا تعالے پر افترا کرتے تو ان کی بھی شاہ رگ کاٹ دی جاتی اور آپ کے کام کو تباہ کر دیا جاتا۔ چنانچہ عقائد کی کتب میں مثلاً عقائد نسفی نبراس وغیرہ میں بالصراحت لکھا ہے۔ کہ مفتری علی اللہ کو تیئیس برس تک کبھی مہلت نہیں دی جاتی۔ اور وہ قتل کیا جاتا ہے۔

اور اس کا سلسلہ آگے نہیں چلتا۔ اور علماء متقدمین نے بھی اس کو صداقت کی دلیل ٹھہرایا ہے۔ اور زمانہ حال کے علماء نے بھی مثلاً مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں اور مولوی آل حسن صاحب نے استفسار میں اور اسی طرح حکیم شاہ محمد حسن صاحب امروہی نظامی چشتی حنفی نے غایۃ البرہان صفحہ ۴۲ میں لکھا ہے

"ہر ایک آیت قرآنی کا یہ اعجاز ہے کہ بعد نزول قرآن کے جو اس کے برابر تنزیل کے دعوے سے کوئی لاوے۔ اس کی نبوت بر عکس ہو۔ اور وہ مارا جاوے ..... چنانچہ تیس آدمیوں کے قریب بدستور مرقومہ مارے گئے۔"

اور مولوی ثناء اللہ صاحب نے بھی تفسیر ثنائی کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

"اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ (نبی) میرا نام لے کر کہیگا نہیں سنیگا۔ تو میں اس سے حساب لونگا۔ لیکن وہ جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کا میں نے حکم نہیں دیا۔ اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائیگا۔"

یہ عبارت زیر خط واضح طور پر ہمیں ایک قانون الہی سے آگاہ کرتی ہے۔ اور بتلاتی ہے کہ نظام عالم میں جہاں اور قوانین ہیں۔ یہ بھی ہے کہ مفتری علی اللہ مدعی کی نبوت کی ترقی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ہلاک کیا جاتا ہے۔ خدا نے جھوٹے نبی کو سرسبزی نہیں دکھائی۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود دنیا میں غیر متناہی مذاہب ہونے کے جھوٹے نبی کی امت کا ثبوت مخالف بھی نہیں دے سکتے۔

صفحہ ۱۶ حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

"جو کوئی زہر کھائیگا۔ ضرور مریگا۔ اس کے سوا بھی کوئی مرے تو ہو سکتا ہے۔ گو اس نے زہر نہ کھائی ہو یہی تمثیل ہے کہ دعوئے نبوت کا جھوٹا مثل زہر کے ہو۔ جو کوئی یہ زہر کھائیگا۔ ہلاک ہوگا۔ اگر اس کے سوا کوئی ہلاک ہو۔ تو ممکن ہے۔ ہاں یہ نہ ہوگا کہ زہر کھانے والا بچ رہے۔"

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قریباً چالیس برس تک ملہم من اللہ ہونے کا دعوے رہا اور آپ کو تیئیس برس سے بھی زیادہ کی مہلت ملی پھر آپ قتل بھی نہ ہوسکے۔ حالانکہ مفتری کی سزا تو یہ تھی کہ وہ تیئیس برس تک زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

"یہ خدا تعالے کی قدرت ہے کہ اس نے منجملہ اور نشانوں کے یہ نشان بھی میرے لئے دکھایا کہ میرے وحی اللہ پانے کے دن سیدنا محمد مصطفی علیہ وسلم کے دنوں سے برابر کئے۔ جب سے کہ دنیا شروع ہوئی ایک انسان بھی بطور نظیر نہیں ملیگا۔ جس نے ہمارے سردار نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح تیئیس برس پائے ہوں۔ اور پھر وحی اللہ کے دعویٰ میں جھوٹا ہو۔ یہ خدا تعالے نے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو خاص عزت دی ہے۔ جو ان کے زمانہ نبوت کو بھی سچائی کا معیار ٹھہرا دیا ہے۔ پس اے مومنو! اگر تم ایک شخص کو پاؤ جو مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور تم پر ثابت ہو جائے کہ وحی اللہ پانے کے دعوے پر تیئیس برس کا عرصہ گذر گیا۔ اور متواتر اس عرصہ تک وحی اللہ پانے کا دعویٰ کرتا رہا۔ اور وہ دعویٰ اس کی شائع کردہ تحریروں سے ثابت ہوتا رہا۔ تو یقیناً سمجھ لو کہ وہ خدا کی طرف سے ہے۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ ہمارے سید و مولےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے وحی اللہ پانے کی مدت اس شخص کو ملے گی۔ جس شخص کو خدا جانتا ہے۔ کہ جھوٹا ہے۔ ہاں اس بات کا واقعی طور پر ثبوت ضروری ہے۔ کہ درحقیقت اس شخص نے وحی اللہ پانے کے دعوے میں تیئیس برس کی مدت حاصل کر لی۔ اور اس مدت میں اخیر تک کبھی خاموش نہیں رہا۔ اور نہ اس دعوے سے دست بردار ہوا۔ سو امت میں وہ ایک شخص میں ہی ہوں۔ جسکو اپنے نبی کریمؐ کے نمونہ پر وحی اللہ پانے میں تیئیس برس کی مدت دی گئی ہے۔ اور تیئیس برس تک برابر سلسلہ وحی کا جاری رکھا گیا ہے۔"
اربعین نمبر ۳ صفحہ ۲۲

تیسرا نشان

خدا تعالے فرماتا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ کہ اگر تمہیں اس کلام کے خدا تعالے کی طرف سے ہونے میں شک ہے تو اس کے ایک حصہ کے مانند بنا کر تو دکھاؤ۔ اور خدا تعالے کے سوا تم جسقدر اپنے مددگار یا گواہ بلانا چاہتے ہو بلا لو۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو

اسی طرح آپ نے فرمایا کہ مجھے بھی اتباع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم و قرآن مجید کے عربی زبان میں اعجاز دیا گیا ہے۔ مخالفین سے کوئی شخص میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپ نے بہت سی کتب عربی زبان میں لکھیں۔ اور علماء پنجاب و ہندوستان و ایشیا و مصر و عرب و شام کو مقابل پر بلایا چنانچہ آپ نے مولویوں کے مقابلہ پر لانے کے لئے ان الفاظ میں دعوت دی۔

"اگر کوئی مولوی عربی کی بلاغت و فصاحت میں میری کتاب کا مقابلہ کرنا چاہیگا۔ تو وہ ذلیل ہوگا میں ہر ایک متکبر کو اختیار دیتا ہوں کہ اسی عربی مکتوب کے مقابل پر طبع آزمائی کرے۔ اگر وہ اس عربی مکتوب کے مقابل پر کوئی رسالہ بالتزام نظم و نثر بنا سکے۔ اور ایک مادری زبان والا جو عربی ہو۔ قسم کھا کر اس کی تصدیق کر سکے۔ تو میں کاذب ہوں۔"

(مولوی کہتے تھے کہ آپ عربی سے محض ناواقف ہیں آپ کو ایک صیغہ بھی عربی کا نہیں آتا۔ شمس) ضمیمہ انجام آتھم

اسی طرح آپ نے بہت سے عربی زبان اور دیگر زبانوں میں الہامات شائع کئے۔ اور مقابل پر بلایا کہ تم بھی تو ایسے لے آؤ مگر کوئی مقابلہ نہ کر سکا یہی بات مسیح کی صداقت کی ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

"پس پیادے سردار کاہنوں اور فریسیوں کے پاس آئے۔ اور انہوں نے کہا آپ اسے کیوں نہ لائے۔ پیادوں نے جواب دیا کہ انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں کیا"

چوتھا نشان

قرآن مجید میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ لا یمسہ الا المطھرون (واقعہ) کہ قرآن مجید کے غوامض اور باریکیوں اور حقائق و دقائق و معارف و نکات سے وہی شخص واقف ہو سکتا ہے۔ اور وہی اس کے نئے نئے اور عمیق در عمیق مطالب بیان کر سکتا ہے۔ جو خدا تعالےٰ کے ہاتھ سے پاک کیا جائے۔ اور اس کا اس منبع و مخرج سے شدید تعلق پیدا ہو چکا ہے۔ جہاں سے یہ نور و ہدایت نکلی ہے۔

چنانچہ اس کی وجہ اگلی آیت میں بیان کی گئی ہے۔ کہ تنزیل من رب العالمین چونکہ یہ کلام رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس لئے مطہر و مزکی ہی اس کے رموز مخفیہ سے واقف ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ نجوم کی حقیقت سے علم النجوم کے ماہرین۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

"اگر یہ نشان (۳) بھی منظور نہ ہو تو میرے مخالف کسی سورۃ قرآنی کی بالمقابل تفسیر بنادیں۔ پھر اگر میں حقائق و معارف کے بیان کرنے میں صریح غالب نہ رہوں تو میں جھوٹا ہوں۔" ضمیمہ انجام آتھم

پانچواں نشان

خدا تعالےٰ فرماتا ہے انما الایات عند اللہ کہ انسانی طاقتوں سے بالا تر کوئی کام کرنا اور معجزہ یا نشان دکھانا کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ ایسے نشان خدا تعالےٰ ہی دکھائے تو دکھا سکتا ہے۔ کوئی بندہ نہیں دکھا سکتا۔ چنانچہ بہت سے نشانات خدا تعالےٰ نے آپ کے ہاتھ پر ظاہر کئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ دیکھو میرا تعلق خدا تعالےٰ سے ہے۔ آؤ وہ میرے ہاتھ پر نشان دکھائیگا۔ آپ فرماتے ہیں۔

"اگر یہ نشان (۴) بھی منظور نہ ہو تو ایک سال تک کوئی مولوی نامی مخالفوں میں سے میرے پاس رہے۔ اگر اس عرصہ میں انسان کی طاقت سے برتر کوئی نشان مجھ سے ظاہر نہ ہو تو میں جھوٹا ہوں۔" ضمیمہ انجام آتھم

چھٹا نشان

"اگر یہ (۵) بھی منظور نہ ہو تو بعض نامی مخالف اشتہار دیدیں کہ اس تاریخ کے بعد اگر ایک سال تک مجھ سے کوئی نشان ظاہر نہ ہوا جو انسانی طاقتوں سے بالاتر ہو خواہ پیشگوئی ہو یا اور تو میں اقرار کردوں گا کہ میں جھوٹا ہوں۔" ضمیمہ انجام آتھم

معجزات اور نشانات کا دکھانا بھی انجیل میں مسیح کی صداقت کی دلیل گردانا گیا ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے۔

"اے اسرائیلیو یہ باتیں سن لو۔ کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا۔ جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت دکھائے۔" اعمال ۲/۲۲

ساتواں نشان

قرآن مجید میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے قل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم الآیۃ۔ کہ اگر کوئی شخص باوجود دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے پیش کئے جانے کے پھر اور نشانات دکھانے کے پھر بھی مخالفت نہ چھوڑے۔ تو اس کو مباہلہ کے لئے بلانا چاہیئے۔

چنانچہ آپ نے لکھا۔

"اگر یہ (۶) بھی منظور نہ ہو۔ تو شیخ محمد حسین بٹالوی اور دوسرے نامی مخالف مجھ سے مباہلہ کرلیں۔ پس اگر مباہلہ کے بعد میری بددعا کے اثر سے ایک بھی خالی رہا۔ تو میں اقرار کروں گا۔ کہ میں جھوٹا ہوں۔ یہ طریق فیصلہ ہیں۔ جو میں نے پیش کئے ہیں۔ اور میں ہر ایک کو خدا تعالےٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اب سچے دل سے ان طریقوں میں سے کسی طریق کو قبول کرے۔" ضمیمہ انجام آتھم

آٹھواں نشان

قرآن مجید میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے وما دعاء الکافرین الا فی ضلال کہ مقابلہ کے وقت کافروں کی دعا اکارت جاتی ہے۔ اور نیکوں کے مقابلے میں کافروں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ بلکہ مقابلہ کے وقت خدا تعالےٰ اپنے اولیاء اور مقربین کی دعاؤں کو سنتا ہے جیسا کہ دوسری آیت قل تعالوا ندع ابناءنا الآیۃ سے بھی ظاہر ہے۔ اس پر بھی فیصلہ کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

"میرے مخالف منکروں میں سے جو شخص اشد مخالف ہو اور مجھکو کافر اور کذاب سمجھتا ہو۔ اور یہ بھی شرط ہے۔ کہ وہ شخص عام لوگوں میں سے نہ ہو۔ بلکہ قوم میں خصوصیت اور علمیت اور عزت اور تقوےٰ کے ساتھ مشہور ہو۔ جس کے مغلوب ہونیکی حالت میں دوسروں پر اثر پڑ سکے۔ وہ کم سے کم دس نامی مولوی صاحبوں یا دس نامی رئیسوں کی طرف سے منتخب ہو کر اس طور سے مجھ سے مقابلہ کرے جو دو سخت بیماروں پر اپنے صدق و کذب کی آزمائش کریں اور قرعہ اندازی کے ذریعہ سے دونوں بیماروں کو اپنی دعا کے لئے تقسیم کریں۔ پھر جس فریق کا بیمار بکلی اچھا ہو جاوے یا دوسرے بیمار کے مقابل پر اس کی عمر زیادہ کی جاوے وہی فریق سچا سمجھا جاوے۔ اور اسکو قبول کرلیا جاوے۔ اور میں اللہ تعالےٰ کا بھروسہ کر کے خبر دیتا ہوں۔ کہ میرے بیمار کو خدا تعالےٰ یا تو بکلی صحت دیدیگا۔ یا دوسرے بیمار سے اسکی عمر بڑھا دیگا۔" (چشمہ معرفت)

اور مخالفین کی دعاؤں کے متعلق آپ نے پہلے سے فرمادیا۔ کہ

"اے لوگو تم یقیناً سمجھ لو۔ کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو اخیر تک مجھ سے وفا کریگا۔ اگر تمہارے مرد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے چھوٹے اور تمہارے بڑے سب ملکر میرے ہلاک کرنے کیلئے دعائیں کریں۔ یہانتک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گل جائیں۔ اور ہاتھ شل ہو جائیں۔ تب بھی خدا تعالےٰ ہرگز تمہاری دعا نہیں سنیگا۔ اور نہیں رکیگا جب تک وہ اپنے کام کو پورا نہ کرلے۔ اور اگر انسانوں میں سے ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو۔ تو خدا کے فرشتے میرے ساتھ ہونگے۔ اور اگر تم گواہی کو چھپاؤ۔ تو قریب ہے۔ کہ پتھر میرے لئے گواہی دیں۔ پس اپنی جانوں پر ظلم مت کرو کاذبوں کے اور منہ ہوتے ہیں۔ اور صادقوں کے اور۔" (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ)

اور یہ معیار انجیل میں بھی بیان ہوا ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے "ہم جانتے ہیں کہ خدا گنہگاروں کی نہیں سنتا لیکن اگر کوئی خدا پرست ہو اور اس کی مرضی پر چلے تو وہ اس کی سنتا ہے۔" یوحنا ۹/۳۱

نواں نشان

جب مولویوں نے مذکورہ بالا طریقوں میں سے کسی طریق کو قبول نہ کیا۔ تو آپ نے ایک آسان طریقہ بتایا جو یہ ہے۔

"کہ اگر تم مباہلہ نہیں کرنا چاہتے۔ تو کم از کم لاہور یا امرتسر یا بٹالہ میں ایک جلسہ کرو۔ اور جس قدر ہو سکیں معزز علماء اور دنیا دار جمع ہوں اور متضرعانہ صورتیں بنائیں اور کوشش کریں۔ کہ حضور دل سے دعائیں ہوں۔ اور گریہ و بکا کے ساتھ ہوں۔ خدا مخلصین کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ اور علماء میں سے کم از کم چالیس آدمی ہوں کہ چالیس کے عدد کو قبولیت کے لئے ایک بابرکت دخل ہے۔ اور دنیا داروں میں سے جو چاہے شامل ہو جائے میں بھی اپنی جماعت کو لیکر آجاؤنگا۔ اور ان الفاظ میں دعا کی جائے۔

یا الٰہی اگر تو جانتا ہے۔ کہ یہ شخص مفتری ہے۔ اور تیری طرف سے نہیں ہے اور نہ مسیح موعود ہے۔ اور نہ مہدی ہے۔ تو اس فتنہ کو مسلمانوں میں سے دور کر اور اس کے شر سے اسلام اور اہل اسلام کو بچالے جس طرح تو نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کو اس دنیا سے اٹھا کر مسلمانوں کو ان کے شر سے بچالیا۔ اور اگر یہ تیری طرف سے ہے اور ہماری عقلوں اور فہموں کا قصور ہے۔ تو اے قادر ہمیں سمجھ عطا فرما تا ہم ہلاک نہ ہو جائیں۔ اور اس کی تائید میں کوئی ایسے امور اور نشان ظاہر فرما کہ ہماری طبیعتیں قبول کر جائیں۔ کہ یہ تیری طرف سے ہے اور جب یہ تمام دعا ہو چکے تو میں اور میری جماعت بلند آواز سے آمین کہیں۔

اس کے بعد میں اسی رسالہ کو جسمیں میرے الہامات درج ہیں ہاتھ میں لیکر مندرجہ ذیل الفاظ میں دعا کرونگا کہ ایخدا اگر یہ تیرا کلام نہیں ہے۔ اور میں تیرے نزدیک کاذب اور مفتری اور دجال ہوں جس نے امت محمدیہ میں فتنہ ڈالا ہے۔ اور تیرا غضب میرے پر ہے۔ تو میں تیری جناب میں تضرع سے دعا کرتا ہوں۔ کہ آج کی تاریخ سے ایکسال کے اندر زندوں میں سے میرا نام کاٹ ڈال۔ اور میرا تمام کاروبار درہم برہم کردے۔ اور دنیا میں سے میرا نام و نشان مٹا ڈال۔ اور اگر تیری طرف سے ہوں۔ اور میں تیرے فضل کا مورد ہوں تو اے قادر کریم اسی سال میں میری جماعت کو ایک فوق العادت ترقی دے۔ اور فوق العادت برکات شامل حال فرما۔ اور میری عمر میں برکت بخش۔ اور آسمانی تائیدات نازل کر۔ اور جب یہ دعا ہو چکے تو تمام مخالف جو حاضر ہوں آمین کہیں۔

اے بزرگو! اور قوم کے مشائخ اور علماء آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اس درخواست کو ضرور

قبول فرمائیں۔ کیونکہ اس دعا کا نفع نقصان کل میری ذات تک محدود ہے۔ مخالفین پر اسکا کچھ اثر نہیں" اربعین کیا آسان طریقہ تھا۔ مگر ان علماء نے جو علماءھم شر من تحت ادیم السماء کے مصداق ہیں۔ اس طریق کو بھی اختیار نہ کیا۔ اور چاہا کہ لوگ ورطہ ضلالت سے باہر آئیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ قل یا ایھا

دسواں نشان الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولا یتمنونہ ابدا بما قدمت ایدیھم واللہ علیم بالظالمین۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو خدا تعالےٰ کے محبوب اور مقرب ہونے کے جھوٹے مدعی ہوتے ہیں وہ اپنے لئے موت کی آرزو کبھی کرتے۔ اور نہ ہی اپنے لئے بد دعا کرتے ہیں۔ کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے کیا کیا خدا تعالےٰ کی نافرمانیاں کی ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنے لئے بد دعا کی فرماتے ہیں۔

اے قدیر و خالق ارض و سما
اے رحیم و مہربان و رہنما
اے کہ میداری تو بر دلہا نظر
اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینم مرا پُر فسق و شر
گر تو دیدا ستی کہ ہستم بد گہر
پارہ پارہ کن من بدکار را
شاد کن ایں زمرۂ اغیار را
بر دل شاں ابر رحمت ہا ببار
ہر مراد شاں بفضل خود برار
آتش افشاں بر در و دیوار من
دشمنم باش و تبہ کن کار من
ور مرا از بندگانت یافتی
قبلۂ من آستانت یافتی
در دل من آں محبت دیدۂ
کز جہاں آں راز را پوشیدۂ
بامن از روئے محبت کار کن
اندکے افشاء آں اسرار کن

(حقیقۃ الوحی)

اس بد دعا کے بعد کیا خدا تعالےٰ نے آپکو تبہ کر دیا۔ اور دشمن ہو کر آپ کے کاروبار اور سلسلہ کو نیست و نابود کر دیا نہیں نہیں۔ بلکہ باوجود مولویوں اور سجادہ نشینوں کے فتاوائے کفر اور ہر قسم کی رکاوٹیں ڈالنے کے آپکو فوق العادت ترقی دی۔ اور آپ کے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کیا۔ اور ان کی مرادیں پوری نہ ہوئیں۔ وہ چاہتے تھے کہ آپ کا سلسلہ تباہ ہو جائے۔ مگر خدا تعالےٰ نے آپکی جماعت کو اس حد تک ترقی دی کہ پنجاب و ہندوستان کے علاوہ امریکہ افریقہ و انگلینڈ۔ آسٹریلیا۔ اور بخارا اور ماریشس وغیرہ ممالک میں بکثرت پھیل گئی۔ اور دور دراز ممالک میں کثرت سے ایسے وجود پیدا ہوئے جو آپ کے نام پر جان دینے کیلئے تیار ہیں۔ پس کیوں خدا تعالےٰ ایک کاذب کا یار و مددگار ہوا۔ اور اپنے دوستوں اور احباب کا دشمن جانی بنا۔ آخر سوچو تو سہی کہ اس میں کیا راز ہے۔ کیا کاذبوں سے خدا تعالیٰ کا یہی سلوک ہوا کرتا ہے۔ یقیناً یاد رکھو کہ آنے والا مسیح موعود آچکا۔ اب اس کا انتظار بے سود ہے۔ یہود نے سچے مسیح کا انکار کیا پھر انکو کوئی سچا مسیح آجتک نہیں ملا۔ اے عزیزو تم بھی انہیں کے نقش قدم پر مت چلو۔ اور جلدی سے اس راستباز خدا تعالےٰ کے مقدس نبی کے زمرہ میں شامل ہو جاؤ۔ تا قیامت کے روز خدا تعالےٰ کے سامنے سرخروئی حاصل کرو۔

آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک عبارت نقل کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں احمدی جماعت کو چاہئیے کہ وہ اسمیں غور کرے۔ کسقدر بلند ہمت اور عالی حوصلہ ہونا چاہئیے۔ اور مصائب پیش آمدہ کے برداشت کرنے کے لئے ہر وقت طیار رہنا چاہئیے۔ اور اس میں پیغامیوں کے لئے بھی نصیحت ہے۔ وہ بھی اس سے سبق حاصل کریں۔ اور سوچیں کہ انہوں نے اس عبارت کے منشاء کے خلاف جرأت و جسارت سے غیر احمدیوں کے ساتھ ملنے کی خواہش کی ہے۔ اور ان کی مخالفت سے ڈر کر کس حد تک پہونچ گئے ہیں۔ گویا کہ ان کے رنگ میں رنگین ہو گئے ہیں۔ اور غیر احمدی بھی تدبر و تفکر سے کام لیں اور سوچیں۔ کہ آیا کاذب شخص میں ایسا استقلال اور ہمت اور بلند حوصلگی ہو سکتی ہے۔ کاذب شخص میں یہ جرأت و طاقت نہیں ہوتی۔ وہ مجسم بزدل ہوتا ہے۔ اور اس کو خدا تعالےٰ پر یقین نہیں ہوتا۔ مگر آپ کے یقین اور توکل علی اللہ کو ملاحظہ فرمائیں۔ کہ جو نبیوں کے سوا کسی اور میں نظر نہیں آتا۔ اور وہ عبارت یہ ہے۔

"یہ عاجز اگرچہ ایسے کامل دوستوں کے وجود سے خدا تعالےٰ کا شکر کرتا ہے۔ مگر باوجود اس کے یہ بھی ایمان ہے۔ کہ اگرچہ ایک فرد بھی ساتھ نہ رہے۔ اور سب چھوڑ چھاڑ کر اپنا اپنا راہ لیں۔ تب بھی مجھے کچھ خوف نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ خدا تعالےٰ میرے میرے ساتھ ہے۔ اگر میں پیسا جاؤں اور کچلا جاؤں اور ایک ذرے سے بھی حقیر تر ہو جاؤں اور ہر ایک طرف سے ایذا اور گالی اور لعنت دیکھوں۔ تب بھی میں آخر فتحیاب ہونگا۔ مجھکو کوئی نہیں جانتا۔ مگر وہ جو میرے ساتھ ہے۔ میں ہرگز ضائع نہیں ہو سکتا دشمنوں کی کوششیں عبث ہیں اور حاسدوں کے منصوبے لاحاصل ہیں۔

اے نادانو اور اندھو مجھ سے پہلے کون صادق ضائع ہوا جو میں ضائع ہو جاؤں گا۔ کس سچے وفادار کو خدا تعالےٰ نے ذلت کیساتھ ہلاک کر دیا جو مجھے ہلاک کریگا۔ یقیناً یاد رکھو اور کان کھولکر سنو کہ میری روح ہلاک ہونے والی روح نہیں۔ اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں۔ مجھے وہ ہمت اور صدق بخشا گیا ہے جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں میں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا۔ میں اکیلا تھا۔ اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں۔ خدا مجھے چھوڑ دے گا کبھی نہیں چھوڑیگا۔ کیا وہ مجھے ضایع کر دیگا۔ کبھی نہیں ضائع کریگا۔ دشمن ذلیل ہونگے۔ اور حاسد شرمندہ اور خدا اپنے بندہ کو میدان میں فتح دیگا میں اس کے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے۔ کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی۔ اور مجھے اس کی عزت اور جلال کی قسم ہے۔ کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اس سے کوئی چیز بھی پیاری نہیں۔ کہ اس کے دین کی عظمت ظاہر ہو۔ اس کا جلال چمکے۔ اس کا بول بالا ہو۔ کسی ابتلا سے اس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں۔ اگرچہ ایک ابتلا نہیں کروڑ ابتلا ہوں ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگلوں میں مجھے طاقت دی گئی ہے۔

من نہ آنستم کہ روزے جنگ بینی پشت من
آں منم کاندر میان خاک و خوں بینی سرے

پس اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا تو وہ مجھ سے الگ ہو جائے۔ مجھے کیا معلوم ہے۔ کہ ابھی کون کون سے ہولناک جنگل اور پر خار بادیہ درپیش ہیں جن کو میں نے طے کرنا ہے۔ پس جن لوگوں کے نازک پیر ہیں وہ کیوں میرے ساتھ مصیبت اٹھاتے ہیں۔ جو میرے ہیں وہ مجھ سے جدا نہیں ہو سکتے نہ مصیبت میں نہ لوگوں کی سب و شتم سے۔ نہ آسمانی ابتلاؤں اور آزمائشوں سے۔ اور جو میرے نہیں وہ عبث دوستی کا دم مارتے ہیں۔ کیونکہ وہ عنقریب الگ کئے جائینگے۔ اور ان کا پچھلا حال پہلے سے بدتر ہوگا۔ کیا ہم زلزلوں سے ڈر سکتے ہیں۔ کیا ہم خدا تعالےٰ کی راہ میں ابتلاؤں سے خوفناک ہو جائینگے۔ کیا ہم اپنے پیارے خدا کی آزمائشوں سے جدا ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں ہو سکتے مگر محض اس کے فضل اور رحمت سے۔ پس جو جدا ہونے والے ہیں۔ وہ جدا ہو جائیں۔ ان کو وداع کا سلام۔ لیکن یاد رکھیں کہ بدظنی اور قطع تعلق کے بعد اگر پھر کسی وقت جھکیں تو اس جھکنے کی عند اللہ ایسی عزت نہیں ہو گی۔ جو وفادار لوگ عزت پاتے ہیں۔ کیونکہ بدظنی اور غداری کا داغ بہت ہی بڑا داغ ہے۔

اکنوں ہزار عذر بیاری گناہ را
مرشوے کردہ را نبود زیب دختری

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

جلال الدین شمس (سیکھوانی) مولوی فاضل از متھرا
۱۳ مئی ۱۹۲۴ء

اجازت بیعت کا سب سے پہلا اجازت نامہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک زمانہ دراز تک لوگوں کی بیعت نہیں لی اور جب کبھی کوئی شخص بیعت کے لئے عرض کرتا تو آپ یہی فرماتے تھے کہ مجھے حکم نہیں یا میں مامور نہیں لیکن جب خدا تعالیٰ نے آپ کو بیعت لینے پر مامور فرمایا تو آپ نے ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء مطابق ۲۰ رجب ۱۳۰۶ھ کو لودہانہ میں بیعت لی یہ بیعت حضرت منشی احمد جان صاحب مرحوم و مغفور کے ایک مکان میں ہوئی جو اس وقت دار البیعت کے نام سے جماعت لودہانہ کے قبضہ میں ہے اس بیعت کے بعد سب سے پہلا آدمی جس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیعت کی اجازت دی وہ مولوی **ابو الخیر عبد اللہ** صاحب ولد ابو عبد اللہ احمد قوم افغان سکنہ تنگی تحصیل چارسدہ ضلع پشاور ہیں۔ افسوس ہے کہ آج ان کے تفصیلی حالات سے واقف نہیں تاہم میں اس کوشش اور فکر میں ہوں کہ ان کے حالات معلوم ہو سکیں۔ مکرمی صاحبزادہ سراج الحق صاحب بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے مولوی **ابو الخیر** صاحب کو دیکھا تھا تیس پینتیس سال کے خوش رُو نوجوان تھے۔ میانہ قد تھا ذی علم اور متقی انسان تھے۔ اُن کے چہرہ سے رشد اور سعادت کے آثار نمایاں تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جو اجازت نامہ مولانا ابو الخیر عبد اللہ صاحب کو لکھ کر دیا تھا وہ تاریخ بیعت سے پورے ایک ماہ چھ دن بعد لکھا یعنی ۲۹ اپریل ۱۸۸۹ء مطابق ۲۸ شعبان ۱۳۰۶ھ۔

میں نے اس **خاص نمبر** کے لئے پسند کیا کہ یہ **اجازت نامہ** بھی شائع کر دوں۔ اِس اجازت نامہ کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ آپ کن لوگوں سے بیعت لینا چاہتے تھے۔ اور بیعت لینے والے کے **فرائض** کیا یقین کرتے تھے۔ اس سے اس **روح** کا پتہ لگتا ہے جو آپ کے اندر اپنے خدام کے لئے تھی یعنے آپ اپنے خادموں کے لئے بہت دعائیں کرتے تھے تاکہ اُن میں وہ **تبدیلی** پیدا ہو جائے جو خدا تعالےٰ تک پہنچانے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ **ع فانی**

اجازت نامہ مذکور یہ ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

الحمد للہ والسلام علےٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد از عاجز عائذ باللہ الصمد غلام احمدؐ۔

بخدمت اخویم مولوی ابو الخیر عبد اللہ پشاوری بعد از السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ واضح باد کہ چونکہ اکثر حق کے طالب کہ جو اس عاجز سے بیعت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں بوجہ ناداری و سفر دور و دراز یا بوجہ کم فرصتی و مزاحمت تعلقات قادیان میں بیعت کے لئے پہنچ نہیں سکتے اس لئے باتباع سنت حضرت مولانا و سید نا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم یہ قرین مصلحت معلوم ہوا کہ ایسے معذور و مجبور لوگوں کی بیعت ان سعید لوگوں کے ذریعہ سے لیجائے کہ جو اس عاجز کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں سو چونکہ آپ بھی شرف اس بیعت سے مشرف ہیں اور جہاں تک فراست حکم دیتی ہے رشد اور دیانت رکھتے ہیں۔ اسلئے و کالتاً اخذ بیعت کے لئے آپ کو یہ اجازت نامہ دیا جاتا ہے آپ میری طرف سے وکیل ہو کر اپنے ہاتھ سے بندگان خدا سے جو طالب حق ہوں بیعت لیں مگر انہیں کو اس سلسلہ بیعت میں داخل کریں کہ جو سچے دل سے اپنے معاصی سے توبہ کرنے والے اور اتباع طریقہ نبویہ کے لئے مستعد ہوں اور ان کے لئے دلی تضرع سے دعا کریں اور پھر نام ان کے بقید ولدیت و سکونت و پیشہ وغیرہ اس تصریح سے کہ اصل سکونت کہاں ہے اور کس محلہ میں اور عارضی طور پر کہاں ہیں بھیج دیں۔ تا یہ عاجز ان کے لئے دعا کرنے کا موقعہ پاتا رہے اور پورے تعارف سے وہ یاد رہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدےٰ

راقم احقر عباد اللہ عبد اللہ الصمد غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب۔ اٹھائیس شعبان ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۹ اپریل ۱۸۸۹ء روز دوشنبہ

نشان مُہر الیس اللہ بکافٍ عبدہ

مکرمی اخویم ڈاکٹر فیض محمد خان صاحب کو السلام علیکم پہنچا دیں اور ہر ایک صاحب جو بیعت کریں مناسب ہے کہ وہ براہ راست بھی اپنا اطلاعی خط بھیجدیں +

مولوی رشید احمد گنگوہی اور اُس کے شاگرد و غیرہ تمام حجت

گنگوہی کا حضرت مسیح موعود کے مقابلہ مباحثہ اور مباہلہ سے فرار

اور

بالآخر دعوت مباہلہ کے موافق شکار ہونا

جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ہندوستان کے نامور علماءؔ اور صاحب ارشاد لوگوں میں سے ایک تھے۔ اُن کو اپنے علم و فضل پر ہی ناز نہ تھا بلکہ وہ اپنے تعلق باللہ کے بھی دعویدار تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جب علماء سوء نے حملہ کیا اور بالآخر فتوےٰ کفر دیا تو یہ مولوی رشید احمد صاحب بھی اُس فہرست میں داخل تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان سب کو مباحثہ اور بالآخر مباہلہ کے لئے بلایا مگر کسی کو

ہمت نہ پڑی کہ سامنے آتا

مجھ کو اس وقت صرف مولوی رشید احمد صاحب کا ذکر کرنا ہے جو اپنے شاگردوں اور مریدوں کا ایک حلقہ رکھتے تھے۔ اور اب بھی اکثر لوگ ہیں جو اپنے آپ کو ان سے نسبت دیتے ہیں جب کہ خدا تعالیٰ کی قہری تجلی اپنا آخری فیصلہ کر چکی ہے میں الحکم کے اس خاص نمبر میں انجام المکذبین کے ایک ورق کو شائع کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ مولوی رشید احمد صاحب نے اپنے علاقہ میں اس سلسلہ کی مخالفت شروع کی حضرت صاحبزادہ سراج الحق صاحب جمالی نعمانی جو چہار قطب ہانسوی کے سجادہ نشین اور سرساوہ کے رئیس اور صاحب ارشاد بزرگ ہیں عرصہ دراز سے حضرت اقدس کی صحبت میں آتے تھے جب وہ اس سلسلہ میں داخل ہوئے تو مولوی رشید احمد صاحب پر اس کا خاص اثر پڑا اس لیے کہ ان کی عزت اور وجاہت اور اثر ان کو ڈراتا تھا۔ کہ ان کو نقصان پہونچے چنانچہ صاحبزادہ صاحب نے ان کو مباحثہ کے لئے بلایا اور وہ نہ آئے۔ بالآخر ایک شخص رشید احمد ولد عظیم الدین ساکن سرساوہ محلہ قاضی نے ۴ شوال ۱۳۱۳ھ کو مولوی رشید احمد صاحب کو ایک خط لکھا جس میں ان سے توفی کے معنوں کی تحقیقات بروئے قرآن مجید اور احادیث کا مطالبہ کیا اور یہ بھی ظاہر کیا جو کچھ پہلے انہوں نے بیان کیا ہے وہ گول مول ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ اس سائل کے جواب میں مولوی رشید احمد صاحب اسکو تسلی بخش جواب دیتے مگر انہوں نے جو جواب دیا وہ حسب ذیل ہے

خط مولوی رشید احمد صاحب

از بندہ رشید احمد عفی عنہ بعد سلام مسنون آنکہ آپ کا خط آیا حال معلوم ہوا۔ مسایل کا جواب میں نے لکھ دیا ہے۔ باقی مولوی سراج الحق کے ساتھ مباحثہ کرنا جیسا کہ مرضی معلوم ہوتی ہے مجھ کو منظور نہیں کہ وہ قابل مباحثہ کے نہیں سابق میں حسب درخواست مولوی سراج الحق مذکور کے میں نے مرزا صاحب کو لکھا تھا کہ اگر مباحثہ منظور ہے تو سہارنپور میں آوے تو انہوں نے منظور نہ کیا۔ اگر تم کو سراج الحق کے سوالات کا جواب منظور ہے تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی تحریرات کو دیکھو کہ تسلی ہو جاوے گی۔ اور بندہ رامپور گیا تھا اسوجہ سے تحریر جواب میں تاخیر ہوئی والسلام۔

یہ خط ہے مولوی رشید احمد صاحب کا۔ اس میں مولوی رشید احمد صاحب نے اولاً مولوی صاحبزادہ سراج الحق صاحب سے مباحثہ کرنے سے انکار کیا ہے اور عذر جو پیش کیا وہ اہل انقا سمجھ سکتے ہیں کہ کہانتک ایک ایسے شخص کے منہ سے سجتا ہے جو اہل علم ہونے کا مدعی ہونے کے باوجود پیری اور درویشی کی بھی لاف زنی کرتا ہے۔ دوسری بات جو اس خط سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ گویا مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود کو مباحثہ کے لئے بلایا اور آپ نے انکار کر دیا اس کے متعلق میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے تمام شاگردوں اور مریدں اور وارثوں کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اس انکار کو پیش کریں۔ اگر وہ اپنے استاد پیر اور بزرگ کی اس تحریر کو سچا ثابت کرنا چاہتے ہیں اگر وہ نہ کر سکیں اور ہرگز نہ کر سکیں تو پھر خود فیصلہ کریں کہ

ایسا مدعی کس سلوک کا مستحق ہے

مولوی صاحب انکار کا الزام حضرت مسیح موعود پر لگا رہے ہیں حالانکہ

حقیقت الامر اس کے خلاف ہے

خود مولوی رشید احمد صاحب مباحثہ کی دعوت کے جواب میں ایسے سوئے کہ پھر جاگنے کا نام نہ لیا اور آخر مباہلہ کی دعوت میں بھی خاموش رہے۔

مولوی رشید احمد صاحب نے کچھ شک نہیں صاحبزادہ سراج الحق صاحب کے ذریعہ ایک خط بھیجا تھا کہ سہارنپور آ کر مباحثہ کر لو مگر اس کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیطرف سے

۱۹ ستمبر ۱۹۰۶ء کا لکھا ہوا مولوی صاحب کو پہونچا تو

سانپ ہی تو سونگھ گیا

مولوی رشید احمد صاحب کے پرانے کاغذات کی پڑتال کرواؤ اُن کے وارثوں اور دوستوں سے اس خط و کتابت کا مطالبہ کرو جو حضرت مسیح موعود کے ساتھ ہوئی تھی۔ وہ کاغذات حقیقت کا انکشاف کر دیں گے اور اگر رشیدی لوگوں میں سے کسی نے جرأت نہ کی تو انجام المکذبین میں انشاء اللہ میں اس خط و کتابت کو درج کروں گا۔ سردست میں وہ سوال و جواب درج کرتا ہوں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیا تھا اس خط کو صوفی عباس علی لودہانوی نے نقل کیا تھا (ان ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام لودہانہ میں تھے اور میر عباس علی صاحب ڈاک نویسی کا کام بھی کرتے تھے)

حضرت مسیح موعود کا مکتوب بنام مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی

مخدوم مکرم معظم مولوی رشید احمد صاحب سلمہ تعالےٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بعد ہذا عرض خدمت ہے کہ صاحبزادہ سراج الحق نے آپ کا خط بجنسہ میرے پاس بھیجدیا ہے۔ حرف بحرف ملاحظہ کیا گیا آپ جو اس عاجز کو واسطے بحث کے سہارنپور بلاتے ہیں مجھ کو کچھ عذر نہیں مگر اتنی بات خدمت میں عرض کرنی ہے کہ امن قایم کرنے کے واسطے آپ نے کیا بندوبست کیا ہے ڈپٹی کمشنر کی تحریری اجازت ہونی ضروریات سے ہے۔ اور مجالس بحث میں سپرنٹنڈنٹ یا اور کسی حاکم با اختیار کا ہونا بھی امر ضروری ہے

بنابرین اس قسم کی تسلی بخش تحریر ہمارے پاس بھیج دیں تو بندہ واسطے بحث کے حاضر خدمت ہو جائیگا اگر لاہور آپ تشریف لے چلیں تو تسلی بخش تحریر امن قائم کرنے کی ہم آپ کے پاس بھیجدیں۔ پس اس تحریر کے جواب میں جیسا آپ مناسب سمجھیں اطلاع دیں۔

راقم غلام احمد بقلم عباس علی

قارئین کرام خود فیصلہ کرلیں کہ یہ حضرت صاحب کا انکار و فرار ہے یا جناب مولوی رشید احمد صاحب کا۔ اس خط کا جو جواب مولوی رشید احمد صاحب نے دیا ہو اور امن کا انتظام کر کے تحریر بھیجی ہو یا لاہور آنے کے لئے آمادگی ظاہر کی ہو وہ رشیدی گروہ کا فرض ہے کہ پیش کرے۔ ورنہ زمین و آسمان سُن رکھیں کہ

رشیدی گروہ پر اتمام حجت ہو چکا ہے

اور انہیں ایام میں پنجاب کا وہ مشہور مباحثہ ہو چکا تھا جو مباحثہ لودہانہ کے نام سے مشہور ہے اور پھر انہیں ایام میں یعنے اسی ستمبر کے مہینے میں حضرت اقدس دہلی پہونچے اور سید نذیر حسین صاحب نے

مباحثہ کی دعوت دی

اگر مولوی رشید احمد صاحب کو مباحثہ فی الحقیقت منظور تھا وردہ سہارنپور میں آمادہ تھا تو دلّی دور نہ تھی بہرحال اس خط و کتابت سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس نے اتمام حجت کر دیا اور مولوی رشید احمد صاحب میدان مباحثہ سے گریز کر گئے۔

اس کے بعد آپ نے انجام آتھم میں مباہلہ کی دعوت دی اور نہایت غیرت دہ الفاظ میں ان کو بلایا اور خدا تعالیٰ کے پاک نام کی قسم دیکر کہا کہ میں ان سب کو اللہ جلشانہ کی قسم دیتا ہوں کہ مباہلہ کے لئے تاریخ اور مقام مقرر کر کے جلد میدان مباہلہ میں آویں اور اگر نہ آئے اور نہ تکفیر اور تکذیب سے باز آئے تو خدا کی لعنت کے نیچے مریں گے۔"

اِن اسمار میں جو مباہلہ کے لئے بلائے گئے پانچویں نمبر پر مولوی رشید احمد صاحب کا نام درج ہے۔ یہ بتانا ان کے مریدوں اور شاگردوں کا کام ہے کہ انہوں نے اس دعوت مباہلہ میں کس حد تک آمادگی ظاہر کی؟ جواب یہی ہے کہ

سانپ سونگھ گیا

اور جیسا کہ اس مباہلہ کے اثر میں حضرت اقدس نے لکھا تھا مولوی رشید احمد صاحب نے فی الحقیقت سانپ کا ہی شکار ہو گئے

فاعتبروا یا اولی الابصار

میں نے مختصر الفاظ میں یہ واقعات لکھدیئے ہیں تاکہ وہ جو راستی اور حق کے طالب ہیں وہ جہالت اور کفر کی قبروں سے نکل کر اس کی طرف آئیں جو روح اور راستی سے معمور ہو کر

خدا نما وجود بن کر دنیا میں آیا

جس کے ہاتھ پر مُردے زندہ اور بہرے سننے لگے اور اندھے دیکھنے لگے ولِلّٰہ الحمد۔

دائرۃ التالیف شبلی اور حضرت مسیح موعودؑ

مولوی شبلی نعمانی جن دنوں علیگڈھ کالج میں پروفیسر تھے۔ انہوں نے دائرۃ التالیف کے نام سے ایک علمی رسالہ نکالنے کا اعلان کیا تھا۔ چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ سے انکی مراسلت رہتی تھی۔ اور وہ حضرت خلیفہ اول کے کتب خانہ سے بعض کتابیں بھی منگواتے رہتے تھے۔ انہوں نے اس رسالہ کا اشتہار حضرت حکیم الامتہ خلیفہ اول کی خدمت میں بھیجا۔ اور یہ اشتہار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور پیش کیا گیا حضور نے اس کے متعلق جو جواب دیا اسے حضرت مولانا عبد الکریم صاحب نے مکرمی میر حامد شاہ صاحب رضؓ کو ایک خط میں لکھا۔ میں اس خط کو ذیل میں درج کرتا ہوں محض اس لئے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایمان باللہ اور اپنی کامیابی اور نصرت الٰہی کے کامل یقین کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ اسکو پڑھکر معلوم ہوگا کہ آپ اخلاص کے کس مقام پر تھے۔ اور مادہ پرستی اور دنیا داری کی کجداردمریز راہوں سے آپ کو کس قدر نفرت تھی حضرت حکیم الامتہ نے شبلی صاحب کو خط لکھا مگر اس کا کوئی جواب ہماری نظر سے کبھی نہ گذرا۔ ان واقعات میں ایک بصیرۃ اور عبرۃ ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب میر صاحب:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ خَیْرُ الْمَعِیْنِ دَالْاٰخَرِیْنَ۔ یعنی تیری تینوں آنکھیں (آنکھ زانو کی آنکھ۔ عقل کی آنکھ) آخر تک سلامت رہینگی۔ مطلب کہ تیری ظاہری اور باطنی حواس میں آخر عمر تک کوئی انتقال واقع نہ ہوگا۔ یہ مبارک الہام اور نشان دو دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہوا ہے۔ کل بڑی دلچسپ تقریر فرمائی اس بات پر کہ ثمانین حولاً و الالہام آج سے تئیس برس ہوگئے جب ہوا اور اس اثناء میں امراض کے شدید شدید دورے ہوئے جس سے جانبر ہونے کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی تھی مگر خدا تعالےٰ نے حسب وعدہ بچالیا۔ اور فرمایا یہ اس لئے ہے کہ مہدی کے چالیس سال پورے ہوں۔

مولوی شبلی نے ایک اشتہار نکالا ہے کہ ایک رسالہ بنام دائرۃ التالیف جاری کیا جائے جسمیں مشاہیر علما مضامین لکھا کریں۔ اور یکجا کر کے مشتہر کئے جایا کریں۔ پھر مضامین کی فہرست دی ہے۔ اور منجملہ ان کے اہم مضمون یہ رکھا ہے کہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور معارف و حقائق پر مضمون لکھے جائیں۔ اور دوسری کتابوں سے اسکی ترجیح ثابت کیجائے

غرض بڑا لنبا اشتہار ہے مولوی نورالدین صاحب کے نام آیا۔ انہوں نے ازبس پسند کیا۔ اور اسپر مجھے اپنے ساتھ متفق کیا ہمنے یہ خیال کیا کہ اب ہم مہوتسو کے جلسہ کیطرح اسمیں بھی مضامین لکھ کر غالب آجائیں گے۔ ہاں اسمیں مضامین کی سرخی میں یہ بھی تھا کہ الٰہیات اور نبوت پر بھی مضامین ہوں ہم نے یہ سوچا کہ وہ لوگ لکھ ہی کیا سکتے ہیں۔ یوں اس سارے سلسلہ میں اس رسالہ کے سب سے زیادہ ہمارے مضامین شایع ہونگے۔ غرض ہم ازبس خوش ہوئے اور میں شام کے وقت بڑے فخر اور جوش اور خوشی سے بمعیت مولوی صاحب حضرت اقدس کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی۔ حضرت نے فرمایا ہم کوئی کام ان لوگوں کی وساطت اور معیت سے کرنا نہیں چاہتے۔ یہ لوگ زمینی ہیں ان کی اغراض کبھی خالص اور صحیح ہو نہیں سکتیں اور خدا تعالیٰ نے کبھی روا رکھا ہی نہیں۔ کہ اس کا کام کسی مادی اور زمینی آدمی کا مرہون منت ہو۔ فرمایا۔ آپ گھبرائیں نہیں ہمارا سلسلہ کامیاب ہوگا اور ضرور ہوگا۔ اور آسمان راہوں سے ہوگا۔ فرمایا۔ اور مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر ایک سوال شبلی سے کریں اگر وہ اسکا جواب دے تو خوشی سے شامل ہونیکو تیار ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ قرآن اپنی تعلیم سے انسان کو کیا بنانا اور کہاں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ اور اس کی علت غائی کیا ہے اور اس کے پیرو میں اور دوسرے مذاہب کے پیرووں میں آخرکار بلحاظ اخلاق اور اعمال اور مدارج کے مابہ الامتیاز اور خارق کیا پیدا ہو جاتا ہے۔" اور فرمایا مجھے ان لوگوں کی کارروائیوں سے شدید قبض پیدا ہوتی ہے۔ میں صاف دیکھتا ہوں کہ ان کا تعلق اس خدائے قادر مطلق سے قطعاً نہیں جس کے سہارے سے ہم جیتے اور اسپر امیدیں باندھے بیٹھے ہیں۔ غرض مولوی صاحب تو اسقدر نادم اور خجل ہوئے کہ نیچے ہی دبے چلے جائیں۔ اور میں بھی ازبس شرمندہ ہوئے اور افسوس کیا کہ ہماری معرفت اور ہمارا علم کیا شئے ہے

عربی کتاب کی فصاحت و بلاغت دوسری پہلی تصانیف سے بہت ہی بڑھی ہوئی ہے۔ اور یہ کتاب ازبس ضخیم اور ایک شان ہوگی

یادِ حبیب کو تازہ رکھنے کیلئے اس کے کلام و حالات کو پڑھو

یادِ حبیب کو تازہ رکھنے کیلئے اور کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْن کے ارشاد پر عمل کرکے اس کے روحانی فوائد حاصل کرنے کے لئے ایک عجیب نسخہ یہ بھی ہے کہ

حضرت مسیح موعودؑ کے حالاتِ زندگی پڑھو

ان حالاتِ زندگی سے معلوم ہوگا کہ آپ کس خاندان میں پیدا ہوئے۔ اور آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت کن حالات میں ہوئی اور آپ کے مشاغل زندگی کیا تھے؟ خدا تعالےٰ سے اور اس کی مخلوق سے ان ایام میں آپ کے تعلقات کس قسم کے تھے۔ آپ کی سوانح عمری کے دو حصے اس قسم کے مضامین پر مشتمل شائع ہو چکے ہیں۔ اور حیات النبی کے نام سے موسوم ہیں قیمت دو جلد دو روپیہ آٹھ آنہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شمایل و اخلاق

سوانح زندگی کے ساتھ جو چیز خدا تعالےٰ کے ماموروں کے ذریعہ حیرت انگیز تبدیلی انسانی قلوب میں کرتی ہے وہ ان کے اخلاقی معجزات ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ دنیا کے لئے نمونہ ہو کر آتے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کی سیرۃ اور آپ کے کریکٹر کی اعلیٰ شان کا علم حاصل کریں تو

سیرۃ مسیح موعودؑ

کا مطالعہ ضروری ہے۔ جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے یہ شمایل و اخلاق کی جلد کا پہلا حصہ ہے۔ جس میں حضرت کے شمائل و عادات و معمولات آپ کے فلسفہ اخلاق کا اتنا اور آپ کے اخلاق فاضلہ کا بیان واقعات کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ یہ کتاب دوستوں کو ارمغان دینے کے قابل ہے۔ اور سعادتمند اور شریف الطبع تعلیم یافتہ جماعت کے افراد میں تبلیغ کا خدا چاہے تو بہترین ذریعہ ہو سکتی ہے قیمت عمہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکتوبات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو مکتوبات اپنی زندگی میں مختلف مذاہب کے لیڈروں اور مبلغین کو لکھے اور اپنے مخالفین اور دوستوں کو وقتاً فوقتاً تحریر فرمائے ہیں وہ اس وقت تک چھ جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور چار جلدیں اس سلسلہ کی اور باقی ہیں۔

یہ خطوط جو دوستوں کو لکھے ہیں اپنے اندر ایک زندگی کی روح اور قوت رکھتے ہیں۔ اور نہایت بیش قیمت مضامین پر مشتمل ہیں۔ تصوف کی حقیقت اور قربِ الٰہی کے حصول کے سادہ اور آسان طریق غرض عجیب عجیب مضامین پر بحث ہے۔

خدا تعالےٰ پر زندہ ایمان ہ دعاؤں کی قبولیت کے راز اور دعاؤں کے اثر اور قوت کے اعجاز کا ایک لطیف بیان ان میں ملیگا۔ اور جو خطوط مخالفین اسلام اور سلسلہ کو لکھے ہیں۔ انمیں صداقت اسلام کے زبردست دلائل قرآن مجید اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اعجازی قوت اور جلالی و جمالی شان کا اظہار پُر شوکت الفاظ میں کیا گیا ہے۔

غرض یہ مجموعہ قابل دید ہے۔ ہر جلد کی قیمت جو کچھ بھی نہیں ۸ ر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ابتدائی تحریریں

حضرت مسیح موعود کی وہ تحریریں جو آپ نے اپنی بعثت سے پہلے لکھی تھیں۔ جمع کیجارہی ہیں۔ انہیں سے ایک حصہ پہلے شائع ہوا تھا۔ اور باقی حصص اب انشاء اللہ یکے بعد دیگرے شائع ہونگے۔ ان تحریروں میں بعض نہایت عجیب و غریب اور قیمتی جواہرات ہیں۔ جن کو دنیا اب کسی قیمت پر بھی پیدا نہیں کر سکتی مگر ایڈیٹر الحکم اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہے۔

کہ اس کے گھر میں یہ دولت موجود ہے

مگر اس نے ارادہ کیا ہے کہ یہ دنیا کا حق ہے اسکو دیدیا جاوے اس لئے جلد سے جلد شائع کرنے کی انشاء اللہ کوشش کی جاویگی۔ مگر اس کی اشاعت جماعت کے حوصلہ پر موقوف ہے جب تک کم از کم ایک ہزار درخواست نہ ہو میں نہیں شائع کروں گا۔ انہیں جواہرات میں سے ایک

قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ ہے

اور ایک پادری مورسین اور سراج الدین عیسائی کی خط و کتابت پر محاکمہ ہے انہیں سے ہر ایک کی قیمت فی جلد ڈیڑھ روپیہ ہوگی۔

فتنۂ ارتداد کے مقابلہ میں کتاب اسرار شریعت

ہر سہ جلد اردو

اس کتاب کی ضخامت ۹۶۴ صفحے اور قیمت معہ محصولڈاک پانچ روپیہ آٹھ آنہ ہے۔ اس میں سارے احکام الٰہیہ کے اسرار اور شریعت اسلامی کے راز اور وجوہات بہ ترتیب ابواب فقہ اردو زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔ آریوں عیسائیوں دہریوں کے ہزارہا اعتراضات کے دنداں شکن جوابات درج ہیں۔ موجودہ پر فتنہ ایام میں ہر ایک مسلمان کے گھر میں اس کتاب کا موجود ہونا۔ اور بچوں کو اس کے مسائل سے واقف کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے مضامیں اس قدر زبردست موثر اور قابل قدر ہیں۔ کہ ان کو پڑھتے ہوئے وجد اور سرور آجاتا ہے۔ اور جب تک ساری کتاب پڑھکر ختم نہ کی جائے جی چھوڑنے کو نہیں چاہتا۔ اسلام کا ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے جس پر کسی نے کوئی اعتراض کیا ہو۔ یا کسی مسئلہ کی وجہ اور فلاسفی پوچھی ہو۔ اور اس کا جواب اس کتاب میں نہ آگیا ہو۔ مثلاً بہ ترتیب منصوص ہاتھ۔ پاؤں۔ منہ کو وضو میں دھونے کا راز اور مسح سر کی وجہ و بر کی ہوا خارج ہونے سے وضو فرض ہونے کی وجہ اور استنجا فرض نہ ہونیکا راز۔ نماز میں دو تین۔ چار رکعات مقرر ہونیکی وجہ فرضوں کے پہلے اور پیچھے سنتیں اور نوافل مقرر ہونیکی وجہ۔ نماز کیلئے پانچ اوقات مقرر ہونیکی وجہ نماز میں رکوع اور سجدے دو مقرر ہونیکا راز۔ عیدین کیلئے اذان اور اقامت مقرر نہ ہونیکی وجہ اور زیادہ تکبیرات مقرر ہونیکا راز اہل اسلام کا مردہ کو شمالاً وجنوباً خاک میں مدفون کرنیکا راز آریوں کے اعتقاد تناسخ اور عیسائیوں کے اعتقاد کفارہ کا زبردست دلائل سے ابطال اور رد حقیقت روزہ رمضان و زکوٰۃ و حج کعبہ و حقیقت شفاعت انبیاء و اولیاء۔ آریوں و عیسائیوں کے اس اعتراض کا جواب کہ قطب شمالی و جنوبی میں جہاں چھ چھ ماہ کے دن رات ہوتے ہیں وہاں روزہ ماہ رمضان کسطرح رکھا جا سکتا اور نماز کس طرح پڑھی جا سکتی ہے حقیقت روح و ذرات و مادہ وغیرہ وغیرہ ساری فہرست مضامین ۲۰ صفحات پر چھپا کر کتاب کے ساتھ شامل کیگئی ہے۔ یہاں گنجایش نہیں ہے کاغذ و چھپائی عمدہ ضخامت ۹۶۴ صفحے ہر سہ جلد قیمت معہ محصولڈاک صہ

اردو ترجمہ فتوحات مکیہ تین ۳ باب کامل

ضخامت ۳۵۸ صفحے قیمت دو روپیہ بارہ آنہ مع محصولڈاک

اس کتاب کے مؤلف حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے علم تصوف اسلامی فلسفہ کو ساتویں صدی ہجری میں زندہ کیا تھا۔ اس لئے دنیا میں ان کا لقب محی الدین مشہور ہو گیا ہے۔ رموز تصوف و حقائق اسلام سے واقف ہونے کیلئے ہر مسلمان کو اس کا پڑھنا ضروری ہے۔

نہج المصلے یعنی مجموعہ فتاوی احمدیہ جلد اوّل اردو و اسرار شریعت عربی جلد اول ضخامت ہر دو ۵۴۶ صفحے قیمت مع محصولڈاک چار روپے دس آنے

کتب مذکورہ بالا ملنے کیلئے پتہ ذیل پر درخواست کیجاوے اللعبد مولوی محمد فضل خان ڈاکخانہ چنگا بنگیال تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی

(پنجاب)

احبابِ درخواستیں بھیجیں!

یہ تمام کتابیں منیجر اخبار الحکم کے نام درخواست بھیجنے پر ملیں گی! قادیان

(انوار احمدیہ پریس قادیان میں شیخ یعقوب علی تراب احمدی پرنٹر و پبلشر نے چھاپکر تراب منزل سے شائع کیا)